جلد ۹۲ فروری ۱۹۸۰ء عدد ۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

حقیقتِ جہاد

○ جہاد ○ جہاد کی اہمیت

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

☆ سفید کاغذ ☆ آفسٹ طباعت ☆ رنگین کور

قیمت ——— ۲/- روپے

اِدارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۲ | فروری ۱۹۸۰ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۰ھ | عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ۔ لاہور

فون نمبر ۴۱۱۰۱۶ —— ۴۱۰۳۱۶

زرِ سالانہ بیس روپے۔ فی پرچہ ۲/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

پرنٹر: سید حسین فاروق مودودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

یہ سطور لکھتے وقت آدھا ماہ ربیع الاوّل گذر چکا ہے۔ یومِ میلاد کے لیے اپنے قریبی ماحول میں اپنے کچھ بھائیوں کو آرائشی محراب بناتے اور جھنڈیاں لگاتے دیکھا تو جہاں یہ خوشی محسوس ہوئی کہ گلی گلی اور کوچے کوچے میں یومِ میلاد کے خیر مقدم کا جذبہ کام کر رہا ہے، وہاں ایک احساس یہ بھی اُبھر اکہ آرائش کرنے والے بھائی ہر سال اسی طرح میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، مگر اُن کی زندگیوں کا ڈھانچہ آج بھی وہی ہے جیسا دس سال پہلے تھا۔ انہیں جیسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ میلاد کا مقصد کیا ہے اور جس مقدس ہستی کی یاد منائی جا رہی ہے، اُس سے ہمارا تعلق کیا ہونا چاہیے اور اُس ہستی کی محبت کا تقاضا کیا ہے جھنڈیاں اور دروازے، پھول اور روشنیاں، عطر اور اگر بتیاں، دیگیں اور ضیافتیں، نعتیہ مشاعرے اور قوالیاں، مجلسیں اور مذاکرے، وعظ اور لیکچر، اخباروں کے خاص نمبر اور ریڈیو، ٹیلی وژن کے پروگرام سب یکجا ہو کر زیرِ نظر آتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ محبت و عقیدتِ رسولؐ کے جذبات کا ایک عظیم الشان کاروان گذر رہا ہے۔ توقع ہوتی ہے کہ جب شہروں اور قصبوں اور دیہات سے یومِ میلاد کو پُرزور طور پر اور ربیع الاوّل کے پہلے بارہ دنوں میں خصوصاً اور سارے مہینے میں عموماً یہ کاروانِ محبت و عقیدت گذرے گا تو صدہا دلوں کی دُنیا بدل جائے گی۔ کرداروں کے نقشے نئے بن جائیں گے۔ اخلاق میں نیا نکھار آجائے گا۔ تلاوتِ قرآن کی وجد آفریں آوازیں گھر گھر سے بلند ہونے لگیں گی۔ مسجدوں میں نمازیوں کی صفوں میں مستقل اضافہ ہو جائے گا۔

مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اور ایسا نہیں ہوتا تو کیوں نہیں ہوتا۔

میں نے اس پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اہلِ علم، اہلِ قلم اور اہلِ زبان کی جو ذمہ داری

سیرت پاک کا پیغام اور محبتِ رسولؐ کا تقاضا عوام تک پہنچانے کی ہے، اسے ادا کرنے کے لیے اگرچہ بڑے خوبصورت پیرائے اختیار کیے گئے مگر کسی وجہ سے یہی خوبصورت پیرائے اصل مقصد میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔

واعظوں اور شاعروں اور مقرروں اور مقالہ نگاروں کی جو قیمتی باتیں سامنے آئیں اُن میں زیادہ زور اس بات پر رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بڑی بلند ہے، مقام بے مثال ہے کردار بے داغ ہے۔ تمام انبیاء کے درمیان افضلیت کا مرتبہ حاصل ہے، تمام انسانوں میں اکملیت عطا ہوئی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ حضورؐ کا بدن حسنِ انسانی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ چہرے، پیشانی، آنکھوں، لب و دندان، اندازِ گفتگو اور طرزِ تبسم میں صدہا کرشمہ ہائے ناز پنہاں تھے۔ یہ سب کچھ برحق، بلکہ اس سے زیادہ باتیں کہنے کی ہیں۔ پھر زور اس بات پر کہ حضورؐ کی ساری زندگی پیدائش سے تادمِ آخر معجزات ہی معجزات سے آراستہ ہے۔ اس میں بھی بحث کی کوئی بات نہیں۔

کمی جس چیز کی رہ جاتی ہے وہ لوگوں پر حضورؐ کے واجب الاتباع ہونے کی حیثیت ہے۔ حضورؐ پاک کو واعظین عرش کی بلندیوں پر دکھاتے ہوئے مخاطبوں کو اس طرف توجہ دلانا بھول جاتے ہیں کہ ہم اور تم سب کن پستیوں میں پڑے ہیں۔ یہ پستیاں حضورؐ پر ایمان لانے والوں کے لیے نہیں ہیں۔

حضورؐ کے صدق و امانت کے واقعات بیان کرتے ہوئے کوئی نہیں کہتا کہ ایسی سچائی اور ایسی امانت کو اختیار کرنا ہمارے لیے لازم ہے۔ کیونکہ ہم حضورؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور حضورؐ کے اتباع کے پابند ہیں۔

حضورؐ ہمارے لیے داعی، معلم، مربی اور مزکی مقرر کیے گئے ہیں۔ وہ قرآن سنانے کے ساتھ قرآن کو واضح کرنے اور اس کے عملی تقاضوں کو پیش کرنے پر مامور ہیں۔ وہ خدا کی طرف سے "مطاع" ہیں حضورؐ سے انحراف کر کے جو قدم بھی اُٹھایا جاتا ہے وہ عنداللہ مقبول نہیں ہے۔ وہ ہمارے لیے اسوہ ہیں اور اسوہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس عملی نمونے کو ہمیں ہر کام میں سامنے رکھنا ہوگا۔ اُن کے لیے خدا کا مطالبہ یہ ہے کہ آپس میں تمام معاملات میں جب تک یہ لوگ (تم پر ایمان لانے والے لوگ) خوش دلی سے فیصلہ کن اتھارٹی نہ مان لیں، اُن کو ایمان کا مقام نہیں مل سکتا۔ حضورؐ نے پکار کر فرمایا کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر اس کا راستہ یہ ہے

کہ میری پیروی کرو، تبھی اللہ تم سے محبت کرے گا) یعنی اللہ کی محبت کا دعویٰ اُسی کا درست ہے اور جواباً اللہ کی محبت اُسی کو ملے گی جو اللہ کے رسولؐ کی پیروی کرے گا۔ ورنہ قیامت کے دن منظر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ یہ دعویٰ لے کر پیش ہوں گے کہ ہم خدا پرست اور محبانِ رسالت ہیں۔ اس پر حضورؐ کے سامنے اُن کے اعمال کے دفتر رکھ کر گواہی طلب کی جائے گی کہ آیا یہ سب آپؐ کے آدمی ہیں اور ہمیں اُن سے آپؐ کی اُمت ہونے کا سلوک کرنا ہے۔ اس کا جواب وہ عظیم راست باز یہ دے گا کہ یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورًا۔ (اے میرے رب مجھ سے نسبت رکھنے والے اس گروہ نے قرآن سے رُوگردانی کر لی تھی) وہ لوگ جو آج دُنیا میں عیدمیلاد منا کر اور جشنِ محبتِ رسولؐ کی گھڑیاں درود و سلام سے آلاپتے ہوئے گزار کر دُنیا بھر کے سارے جرائم اس اُمید پر کرتے رہتے ہیں کہ آخرت تو اپنی ہی ہے وہاں اپنا آدمی شفاعت کے لیے موجود ہے۔ بس گناہوں سے کیا پرہیز ـــــ اُن کو وہاں جا کر معلوم ہوگا کہ وہاں اندھی سفارش نہیں ہوتی جو شخص دُنیا میں انتہا درجہ کا صادق و امین تھا وہ آخرت میں بھی صادق و امین ہوگا۔

نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا ہی میں بہت سے معاملات میں وضاحت فرما گئے ہیں کہ ایسے اور ایسے لوگوں کے لیے میں سفارش نہیں کروں گا۔ یا ایسے اور ایسے افعال کرنے والوں کے لیے میری شفاعت نہیں ہوگی۔

میں نے ربیع الاوّل یا کسی دوسرے موقع کی تقاریرِ سیرت میں بالعموم عالموں اور لیکچررون اور شاعروں اور صحافیوں کو یہ بات عوام سے صاف صاف کہتے نہیں پایا۔

محبت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک اس ملازم کی محبت ہے جو آقا کی ہر پکار پر دوڑا آتا ہے اور جو حکم دیا جاتا ہے بسروچشم قبول کر کے تعمیل کرتا ہے۔ دوسرا ملازم وہ ہے جو آقا کی کسی پکار پہ لبیک نہیں کہتا۔ کوئی کام کر کے نہیں دیتا۔ کوئی امر و نہی تسلیم نہیں کرتا۔ مگر زیادہ سے زیادہ کوشش یہ کرتا ہے کہ آگے بڑھ کر سلام پیش کرے اور قصیدے پڑھے اور اشعار گائے اور جھنڈیاں لگائے اور روشنیاں آراستہ کرے۔

کیا دونوں کا کردار ایک جیسا ہے؟ کیا دونوں کا انجام ایک جیسا ہوگا؟

کوئی دوست ایسے ہم نشیں کو دوست نہیں مانتا جو تعریفوں کے پل باندھتا ہو اور اپنے جذباتِ وفا کا بڑا اظہار کرتا ہو، مگر دوست جس کام میں اُس سے تعاون چاہے اس سے روگردانی کر جاتے۔

تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ مذاق کہاں تک چلے گا کہ تعریفوں کے پُل باندھے جائیں، گلیوں بازاروں کی آرائش کر دی جاتے۔ اور زندگی اس طرح گزاری جائے جس طرح گذر رہی ہے، کبھی بھولے سے اس رسولؐ محبوب سے پوچھیں ہی نہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا فرماتے ہیں؟

میں ترس گیا ہوں ایسی مثالوں کے لیے کہ عمر بھر کا معاملہ تو چھوڑیے، ہمارے کچھ پیارے بھائی ربیع الاول کی برکات اور سیرتِ مطہرہ کی سعادتوں کے زیرِ اثر ایک دن ہی کے لیے یہ طے کرلیں کہ آج ہم کوئی جھوٹ نہ بولیں گے۔ آج ہم کسی سے فریب نہ کریں گے، آج کوئی غلط ناپ تول نہ ہوگا، آج رشوت کا لین دین نہ ہوگا آج حرام خوری کسی شکل میں نہ ہوگی۔ آج غیبت، بُہتان اور تمسخر سے پرہیز کیا جائے گا۔ آج نگاہ کسی ممنوعہ منظر سے آلودہ نہ ہوگی۔

مجھے تو اپنے اردگرد ایسے لوگ بھی نظر نہیں آتے جو ایک دن کا انقلاب اپنے اُوپر اُس رسولِ اقدس کی خاطر طاری کرلیں جو زمانے بھر میں بہترین قسم کا انقلاب برپا کرنے اُٹھا تھا۔

کاش کہ کوئی ایک دن ہماری زندگیوں میں ایسا آتا کہ قوم کے تمام بالغ افراد محبتِ رسالتؐ سے سرشار ہو کر مساجد کے صفوفِ نماز میں کھڑے ہو جاتے۔

ہم لوگ رسولِ پاک کے مراتبِ عالیہ اور سیرت کے واقعاتِ زرّیں بہت بیان کرتے ہیں، مگر ایک چیز ہم نے گم کر دی ہے جسے قرآن نے بل ھو نبأ عظیم کہا تھا۔ قرآن ہی نے نہیں، سردارانِ قریش نے بھی یہ بات پالی تھی کہ وہ امرِ عظیم ہے۔ دین جس "امرِ عظیم" پر مشتمل ہے وہ ہماری تقریروں اور وعظوں میں گم ہے۔ وہ امرِ عظیم جس کے لیے چاہا گیا تھا کہ "کونوا انصار اللہ"۔ ساری دنیا کی اصلاح وامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وہ مقصد جس کے لیے خدا پرستوں کو ایک حزب اللہ کی شکل دی گئی تھی۔ تمام اہلِ ایمان کلمۂ حق کے سپاہی بن گئے تھے۔

کلمۂ حق کے ان سپاہیوں کی شان یہ تھی کہ خدا کو خدا اور رسول کو رسولؐ ماننے کے بعد پھر انہوں نے

ہمہ تن سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بغیر کسی جبریت اور قانونی مطالبہ کے اپنے باطنی رضاکارانہ جذبے سے وہ ہر اُس چیز کو اپنے اُوپر طاری کرنے کے منتظر رہتے تھے، جو خدا اور رسولؐ کی طرف سے آتی تھی۔

آج وہ محمدی سپاہی شاذ و نادر ہی کوئی دیکھنے میں آتا ہے کہ جس کو انضباط میں رکھنے کے لیے اندرونی رضاکارانہ جذبہ ہی کافی ہو۔ اور آج وہ نبأ عظیم غائب ہے، اُس کی جگہ مذہب رہ گیا ہے اور مذہب بھی ایسی جاگیر ہے جسے مختلف فرقوں نے آپس میں بانٹ رکھا ہے۔ اور اس کے لیے مسلسل لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔

آج ایک خراب شدہ معاشرہ میں ہمارے اندر طرح طرح کی بُرائیاں فروغ پا گئی ہیں۔ شراب اور قمار سے لے کر سمگلنگ اور نفع اندوزی تک، جھوٹ اور فریب سے لے کر رشوت اور غبن تک، کام چوری سے لے کر ڈاکے اور قتل تک، ہر قسم کی بُرائیوں کا ایک وسیع عجائب گھر چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ تشدد کینہ اور نفرت وہ زہر ہیں جنہوں نے ہماری وحدت و اخوت کو تباہ کر دیا ہے۔ پھر دولت اور معیارِ زندگی اور سٹیٹس کے بتوں کی پُوجا ایسی عام ہوئی کہ اب کسی بھی گھر کے حرم میں جا کے دیکھو تو یہ لات و ہبل دلوں اور دماغوں پر چھائے ہوئے ملیں گے۔

حد یہ ہے کہ رسول کریم کے لائے ہوئے دین پر اعتراض کرنے والے، حضورؐ کی تعلیمات اور معمولات کا مذاق اُڑانے والے، اِس دین سے انحراف کر کے دوسرے دین قبول کرنے والے اور اس دین کے اندر دوسرے ادیان کا پیوند لگانے والے بھی ہمارے اندر بکثرت موجود ہیں۔ اور یہ سب بھی عید میلاد اور اُس کی جھنڈیوں اور خوشبوؤں سے دلچسپی لیتے ہیں، بلکہ تقریریں بھی کرتے ہیں اور نعتِ رسولؐ بھی لکھتے ہیں۔

اور جو جس خرابی، جس بداخلاقی اور جس جرم میں مبتلا ہے، وہ اس میں محرم گزار کر بھی اسی طرح مگن رہتا ہے اور ماہ ربیع الاوّل گزار کر بھی کسی تبدیلی کا خیال تک نہیں کرتا۔ ہماری اجتماعی ساخت کا ڈھرہ اتنا پکا ہو گیا ہے کہ پہلے رمضان گذرتا ہے، پھر حج کا مبارک مہینہ گذرتا ہے، پھر محرم میں لوگ یادِ حسین میں آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں اور مرثیوں کا طوفان اُٹھا دیتے ہیں۔ پھر ربیع الاوّل رحمتوں کی گھٹاؤں کے ساتھ دلوں کی آبیاری کرنے آتا ہے۔ مگر ہم جہاں کے تہاں رہتے ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی عادات اور اپنے اپنے رویّوں کو نہایت سختی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اِن گذارشات سے مقصود یہ ہے کہ ذہین دینی عناصر اس مسئلے پر غور کریں اور اپنے طریق کار میں ایسی تبدیلیاں پیدا کریں کہ ہمارے منجمد نظامِ فکر و عمل میں وہ تغیرات رونما ہوں جس کو پیدا کرنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ اللّٰھم صلّی علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ و بارک وسلم۔

---

(۲)

معاشرے کے اخلاقی احوال کو زیرِ گفتگو لاتے ہوئے مجھ سے بعض نوجوانوں نے پوچھا کہ ہم لوگ کچھ کام کرنے کا دینی جذبہ رکھتے ہیں، موجودہ حالات میں آپ کے خیال میں کونسا کام کس طرح کرنا مفید ہو سکتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دیکھ رہے ہیں کہ ملک کے اردگرد مصائب کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ خشیت کے جذبات پیدا ہوتے، مگر قوم اپنی ڈگر پر چلی جا رہی ہے۔ اس وقت لوگوں تک پہنچ کر حسبِ ذیل ذمہ داریاں انجام دینی چاہییں۔

۱۔ مہاجرین کے لیے حصول امداد کی جو مہم چل رہی ہے اُسے کچھ لوگ کو لے کے چلیں..... جہاں وہ جائیں گے، وہاں مہاجرین کے مصائب سے لے کر افغانستان کے حالات تک سب کچھ زیرِ گفتگو آسکتا ہے۔ اور بات یہاں تک بھی پہنچے گی کہ ایسا کیوں ہوا۔

۲۔ یہ وقت ہے کہ ہم اپنے عوام کو ذاتی رابطے کی صورت میں بڑے پیار کے ساتھ یہ سمجھائیں کہ حالات بڑے سخت اور پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اور ناجائز کمائیوں اور غلط عادات سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔

۳۔ قوم کو ایک جذبۂ جہاد کی ضرورت ہے، مگر جہاد یکایک تلوار اُٹھا لینے کا نام نہیں، جہاد کرنے سے پہلے خود اپنے خلاف جہاد لڑنا پڑتا ہے۔ ایک ایک فرد کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ تیاریٔ جہاد کے لیے وہ جہاد کا پہلا مرحلہ اپنے اندر کیسے شروع کریں۔

۴۔ کسی سے بھی اسلحہ خرید سے جائیں یا کوئی ایڈ ملے، اصل دار و مدار اسلحہ پر نہیں ہے بلکہ اسلحہ کی قوت کو دس گنا بڑھانے والی چیز سچا ایمان اور غیرت ملی کا جذبہ ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال

افغان بھائیوں نے تاریخ میں قائم کر دکھائی ہے۔ اسی جوشِ ایمان اور غیرتِ ملّی کو ہمیں اپنے عوام کے اندر پیدا کرنا ہے۔

۵۔ لوگوں میں چلنے پھرنے ہوئے ایسا اشتراکی لٹریچر آسان زبان اور مختصر عبارات پر مشتمل ہے جائیے جو یہ حقیقت واضح کر دے کہ اشتراکیت کس جبریت سے قائم ہوئی۔ اُس نے سمرقند و بخارا کے مسلمانوں کو کچلنے کے لیے کیا کیا۔ چیکوسلواکیہ، ہنگری، مصر، برما، اریٹیریا، جنوبی یمن، صومالیہ وغیرہ میں کیا پارٹ ادا کیا۔ اور اب افغانستان میں خونِ مسلم کی ارزانی کس طرح ہو رہی ہے۔

۶۔ جہاد کے لیے اتحاد ضروری ہے۔ اتحاد اولاً ہمیں اپنے اندر درکار ہے۔ نظریاتی، فرقہ وارانہ، طبقاتی اور علاقائی اختلافات کو غیر مؤثر بنانے کے لیے اسلامی تعلیمات اور رسولِ خدا کی تلقینات کو اپنے بھائیوں میں عام کیجیے۔ پھر اپنی کوششوں کو اور زیادہ پھیلا کر پورے عالمِ اسلام کی وحدت کے لیے بھی کام کیجیے۔ بلکہ اگر آپ نوجوانوں کو اثر اندازی کا کوئی راستہ ملے تو اس تجویز کو اُبھاریں کہ مشترک دفاع کے ساتھ مشترک اسلحہ سازی کا ایک وسیع پروگرام شروع کیا جائے جس کے تحت مختلف ضروریات ہمارے مختلف مسلم ممالک میں تیار ہوں۔ بعض مسلم ممالک سرمایہ لگا کر اور بعض ملک ٹیکنالوجسٹوں اور سائنسدانوں کو شریک کر کے کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔ بیرونی اسلحہ کی امداد اپنی ذمہ داریوں سے غافل بھی کر سکتی ہے۔

۷۔ بیرونی امداد جب آتی ہے تو (کئی ممالک کے پچھلے تجربات گواہ ہیں) اس کے ساتھ ساتھ بدعنوانیاں (CORRUPTION) بڑھتی ہیں۔ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ بدعنوانیاں پہلے سے خوب پھل پھول چکی ہیں، اب ان کا انسداد کرنے میں حکومت کا جو فرض ہے اُسے وہ خود ادا کرے۔ آپ لوگوں میں اسلامی اخلاق کی تعلیمات کو اتنا راسخ کریں کہ جو لوگ متاثر ہوں کم سے کم وہ تو بہتی گنگا سے اپنے ہاتھ رنگنے کی کوشش نہ کریں۔

۸۔ نظریۂ پاکستان سے اختلاف کرنے والے عناصر اور خصوصاً روس سے نظریاتی و اعتقادی رشتے رکھنے والے گروہوں سے بھی حکومت اپنے طریق سے ایسا معاملہ کرے کہ وہ بحالات موجودہ بعض اداروں میں اہم حیثیت کے ساتھ موجود رہ کر خلل انداز نہ ہو سکیں۔ مگر آپ کا کام یہ ہے کہ آپ ان تک بھی اسلامی دعوت کو لے کے جائیں اور پیار سے مگر پورے استدلال کے ساتھ (باقی بر صفحہ ۴۸)

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

باب اوّل ——— قصۂ آدم علیہ السلام

(قسط ۳)

فصل ۵

قرآن میں قصۂ آدمؑ

پیدائش آدمؑ

قرآن مجید میں آدمؑ کی پیدائش اور نوعِ انسان کی ابتدا کا یہ قصہ سات مقامات پر آیا ہے، جن میں سے پہلا مقام البقرہ میں ہے اور باقی مقامات حسب ذیل ہیں: الاعراف، رکوع ۲ - الحجر، رکوع ۳ - بنی اسرائیل، رکوع ۷ - الکہف، رکوع ۷ - طٰہٰ، رکوع ۷ - ص، رکوع ۵ - بائیبل کی کتاب پیدائش، باب اوّل، دوم اور سوم میں بھی یہ قصہ بیان ہوا ہے۔ لیکن دونوں کا مقابلہ کرنے سے ہر صاحب نظر انسان محسوس کر سکتا ہے کہ دونوں کتابوں میں کیا فرق ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ	پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمھارے رب نے
خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ	فرشتوں سے کہا کہ "میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے
مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا	گارے سے ایک بشر[1] پیدا کر رہا ہوں۔ جب میں
سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ	اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ	کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے
الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝	میں گر جانا۔" چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

---

[1] بشر کے لغوی معنی ہیں۔ جسم کثیف جس کی ظاہری سطح کسی دوسری چیز سے ڈھکی ہوئی نہ ہو۔ انسان کی تخلیق کے بعد یہ لفظ انسان ہی کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ لیکن تخلیق سے پہلے اس کا ذکر لفظ بشر سے کرنے اور اس کو مٹی سے بنانے کا صاف مطلب یہ ہے کہ میں مٹی کا ایک پتلا بنانے والا ہوں۔ جو بال و پر سے عاری ہوگا۔ یعنی جس کی جلد دوسرے حیوانات کی اُون یا صوف یا بالوں اور پروں سے ڈھکی ہوئی نہ ہوگی۔

إِلَّا إِبْلِيسَ ۝ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ
السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا
لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝
قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ
خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ
مَّسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ
اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ
رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝
قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝
إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝
قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي
لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ
لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝
قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ
مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ
إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝
وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ
أَجْمَعِينَ ۝

(الحجر ۔ آیات ۲۸ تا ۴۳)

سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے
ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ رب نے پوچھا،
"اے ابلیس! تجھے کیا ہوا جو کہ تو نے سجدہ کرنے
والوں کا ساتھ نہ دیا؟" اس نے کہا میرا یہ کام نہیں
ہے کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے سڑی
ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے۔
رب نے فرمایا "اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ
تو مردود ہے اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت
ہے"۔ اس نے عرض کیا۔ میرے رب یہ بات
ہے تو پھر مجھے اس روز تک کے لیے مہلت
دے جبکہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔
فرمایا "اچھا تجھے مہلت ہے اس دن تک جس
کا وقت ہمیں معلوم ہے"۔ وہ بولا "میرے رب،
جیسا تو نے مجھے بہکایا، اسی طرح اب میں ان
کے لیے دلفریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا
دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں
تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔ فرمایا یہ راستہ
ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ بے شک
یہ میرے حقیقی بندے ہیں۔ ان پر تیرا بس نہ
چلے گا تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں
پر ہی چلے گا جو تیری پیروی کریں گے اور
ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے"۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ

"ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی" پھر تمہاری

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝
قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ
اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ
مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ
خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ
مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ
فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝
قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝
قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝
قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ
لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ
وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ
اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ
مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ
مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ
اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ
حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔
اس حکم پر سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس سجدہ کرنے
والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا "تجھے کس چیز نے
سجدہ کرنے سے روکا، جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا"۔
بولا "میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے
پیدا کیا اور اسے مٹی سے"۔ فرمایا "اچھا! تو یہاں سے
نیچے اتر، تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ
کرے۔ نکل جا کہ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے
ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔ بولا مجھے اس
دن تک مہلت دے، جب کہ یہ سب دوبارہ
اٹھائے جائیں گے۔" فرمایا "تجھے مہلت ہے۔ بولا
"تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے۔ میں بھی
اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات
میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں،
ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں اکثر
کو شکرگزار نہ پائے گا۔" فرمایا "نکل جا یہاں سے۔
ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ یقین رکھ کہ ان میں سے
جو تیری پیروی کریں گے، اُن سے اور تجھ سے
جہنم کو بھر دوں گا۔" اور اے آدم! تو اور تیری
بیوی دونوں اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز
کو تمہارا جی چاہے کھاؤ، مگر اس درخت کے
پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"
پھر شیطان نے اُن کو بہکایا۔ تاکہ ان کی شرمگاہیں

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

(الاعراف آیات ۲۰ تا ۲۲)

جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔ اس نے ان سے کہا "تمھارے رب نے تمھیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمھیں ہمیشہ کی زندگی حاصل نہ ہو جائے" اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمھارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انھوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب ان کے رب نے انھیں پکارا "کیا میں نے تمھیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے"۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف۔ آیت ۲۳)

دونوں بول اٹھے "اے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے"۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝

(الاعراف۔ آیات ۲۴۔۲۵)

فرمایا "اتر جاؤ نیچے، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے"۔ اور فرمایا "وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخر کار نکالا جائے گا"۔

فصل ۶

حضرت حوّا

حضرت آدمؑ سے اُن کے جوڑے کی تخلیق

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ	لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک
خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ	جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا
مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا	جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور
وَّنِسَآءً ج (النساء - آیت ۱)	عورت دنیا میں پھیلائے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کرائی کہ تمام انسان ایک اصل سے ہیں اور ایک دوسرے کا خون اور گوشت پوست ہیں۔

"تم کو ایک جان سے پیدا کیا" یعنی نوعِ انسانی کی تخلیق ابتداءً ایک فرد سے کی۔ دوسری جگہ قرآن خود اس کی تشریح کرتا ہے کہ وہ پہلا انسان آدم تھا جس سے دنیا میں نسلِ انسانی پھیلی۔

"اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا" اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہلِ تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائیبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدمؑ کی پسلی سے حوّا کو پیدا کیا گیا (تلمود میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حوّا کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب کی تیرھویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا) لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے۔ اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت نہ ضائع کیا جائے۔

پسلی سے پیدا ہونے کا غلط تصوّر

قرآن مجید میں کسی جگہ بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت حوّا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا

تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس خیال کی تائید میں جو چیز پیش کی جا سکتی ہے وہ قرآن کا یہ ارشاد ہے کہ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء) اور جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الاعراف) لیکن ان دونوں میں مِنْهَا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "اسی نفس سے اس کا جوڑا بنایا" اور یہ بھی کہ "اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا"۔ ان دونوں آیتوں سے کسی معنی کو بھی ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل قرآن کی ان آیتوں میں نہیں ہے بلکہ قرآن کی بعض دوسری آیتیں تو دوسرے معنی کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ روم میں فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (آیت ۲۱) اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (آیت ۱۱) یہی مضمون سورۂ نحل آیت ۷۲ میں آیا کہ ان تینوں آیتوں میں مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کے معنی مِنْ جِنْسِكُمْ ہی لیے جائیں گے نہ یہ کہ تمام انسانوں کی بیویاں ان کی پسلیوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ اب اگر پہلے معنی کو ترجیح دینے کے لیے کوئی بنیاد مل سکتی ہے تو وہ حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایات ہیں جو بخاری و مسلم نے نقل کی ہیں مگر ان کے الفاظ میں اختلاف ہے، ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

المرأة كالضلع ان اقمتها	عورت پسلی کی مانند ہے۔ اگر تو اسے سیدھا
كسرتها وان استمتعت	کرے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس سے فائدہ
بها استمتعت بها وفيها	اٹھائے گا تو اس کے اندر کجی باقی رہتے ہوئے
عوجا۔	فائدہ اٹھا سکے گا۔

اور دوسری روایت میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں "عورتوں کے معاملے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اور اس کا سب سے ٹیڑھا حصہ بالائی حصہ ہوتا ہے اگر تو اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو توڑ دے گا اور اگر چھوڑ دے تو تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہٰذا عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو۔" ان دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث تو عورت کو پسلی سے محض تشبیہ دے رہی ہے۔ اس میں یہ سرے سے ذکر ہی نہیں ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ البتہ دوسری حدیث میں پسلی سے پیدائش کی تصریح ہے۔ لیکن یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس میں حضرت حوا یا پہلی عورت یا ایک عورت کی نہیں بلکہ تمام عورتوں کی پیدائش پسلی ہی سے بیان کی گئی ہے۔ کیا فی الواقع دنیا کی تمام عورتیں پسلیوں ہی سے پیدا ہوتی ہیں؟ اگر یہ بات نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے

تو انا پڑے گا کہ یہاں خُلِقْتَ مِنْ ضِلَعٍ کے الفاظ اس معنی میں نہیں ہیں کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی یا بنائی گئی ہے بلکہ اس معنی میں ہیں کہ ان کی ساخت میں پسلی کی سی کجی ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ اس کے معنی بھی یہ نہیں ہیں کہ انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے، بلکہ یہ ہے کہ انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پسلی سے حضرت حوا کی پیدائش کا خیال قرآن ہی میں نہیں حدیث میں بھی کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ روایت نقل ہو کر مسلمانوں میں شائع ہوئی ہے اور بڑے بڑے لوگوں نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ اپنی کتابوں میں ثبت کر دیا۔ مگر کیا یہ صحیح ہے کہ اللہ اور رسول کی سند کے بغیر محض بڑے لوگوں کے اقوال کی بنا پر اسے ایک اسلامی عقیدہ ٹھہرا دیا جائے اور جو کوئی اس پر ایمان نہ لائے اسے گمراہ قرار دیا جائے؟

ایک اور غلط فہمی

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ج فَلَمَّا تَغَشّٰهَا
حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ
بِهٖ ج فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ
رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا
لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ
اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ
فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ج فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ۔

(الاعراف - آیات ۱۸۹ - ۱۹۱)

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے
پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا،
تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد
نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے خفیف سا حمل رہ
گیا جسے لیے لیے وہ چلی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل
ہو گئی تو دونوں نے مل کر اللہ اپنے رب سے دعا کی"
کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار
ہوں گے۔" مگر جب اللہ نے ان کو صحیح و سالم بچہ
دیا تو وہ اس کی بخشش و عنایت میں دوسروں کو
اس کا شریک ٹھہرانے لگے۔ اللہ بہت بلند و
برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ
کرتے ہیں۔

اس تقریر کے سمجھنے میں ایک بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے جسے ضعیف روایات نے اور زیادہ تقویت پہنچائی۔ چونکہ آغاز میں نوعِ انسانی کی پیدائش ایک جان سے ہونے کا ذکر آیا ہے۔ جس سے مراد حضرت آدم

ہیں۔ اور پھر فوراً ہی ایک مرد اور ایک عورت کا ذکر شروع ہوگیا ہے۔ جنھوں نے پہلے تو اللہ سے صحیح و سالم بچے کی پیدائش کے لیے دعا کی، اور جب بچہ پیدا ہو گیا تو اللہ کی بخشش میں دوسروں کو شریک ٹھہرا لیا۔ اس لیے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ شرک کرنے والے ضرور حضرت آدمؑ و حوّا ہی ہوں گے۔ اس غلط فہمی پر روایات کا ایک خول چڑھ گیا اور ایک پورا قصہ تصنیف کر دیا گیا کہ حضرت حوّا کے بچے پیدا ہو ہو کر مر جاتے تھے آخر کار ایک بچے کی پیدائش کے موقع پر شیطان نے ان کو بہکا کر اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس کا نام عبدالحارث (بندۂ شیطان) رکھ دیں۔ غضب یہ ہے کہ ان روایات میں سے بعض کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچا دی گئی ہے لیکن درحقیقت یہ تمام روایات غلط ہیں۔ اور قرآن کی عبارت بھی ان کی تائید نہیں کرتی۔ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ نوعِ انسانی کا پہلا جوڑا جس سے آفرینش کی ابتدا ہوئی۔ اس کا خالق بھی اللہ ہی تھا کوئی دوسرا اس کارِ تخلیق میں شریک نہ تھا۔ اور پھر ہر مرد و عورت کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس کا خالق بھی اللہ ہی ہے جس کا اقرار تم سب لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔ چنانچہ اسی اقرار کی بدولت تم امید و بیم کی حالت میں جب دعا مانگتے ہو تو اللہ ہی سے مانگتے ہو لیکن جب اُمیدیں پوری ہو جاتی ہیں تو تمھیں شرک کی سوجھتی ہے۔ اس تقریر میں کسی خاص مرد اور خاص عورت کا ذکر نہیں ہے بلکہ مشرکین میں سے ہر مرد اور ہر عورت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

بائبل کا بیان

اس موقع پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آدم و حوّا کا قصہ جس طرح بائبل میں بیان ہوا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔ بائبل کا بیان ہے کہ خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا۔ اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا اور خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا۔ اور انسان کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا اور باغ کے بیچ میں حیات کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا۔ اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے۔ لیکن نیک و بد کی پہچان کا درخت کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی۔ ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا اور آدم اور اس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے۔ اور سانپ کل دشتی جانوروں میں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا، چالاک تھا۔ اور اس نے عورت سے کہا کہ کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا، سانپ

نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مروگے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد جاننے والے بن جاؤ گے۔ چنانچہ عورت نے اس کا پھل لے کر کھایا اور اپنے شوہر کو بھی کھلایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انھوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں اور انھوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا، سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے اپنے آپ کو خداوند خدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ پھر خدا نے آدم کو پکارا کہ تو کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ میں تیری آواز سن کر ڈرا اور چھپ گیا کیونکہ میں ننگا تھا۔ آدم نے کہا کہ مجھے حوا نے اس کا پھل کھلایا۔ اور حوا نے کہا۔ مجھے سانپ نے بہکایا تھا۔ اس پر خدا نے سانپ سے کہا "اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور عمر بھر خاک چاٹے گا۔ اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا"۔ اور عورت کو یہ سزا دی کہ میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔ اور آدم کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا کہ چونکہ تم نے اپنی بیوی کی بات مانی اور میرے حکم کے خلاف کیا اس لیے زمین تیرے سبب لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا۔ تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا۔ پھر خداوند نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے کے کرتے بنا کر ان کو پہنائے۔ اور خداوند خدا نے کہا۔ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے اس لیے خداوند خدا نے اس کو باغِ عدن سے باہر کر دیا۔ (پیدائش باب ۲۔ آیات ۵۔۲۷۔ باب ۳۔ آیات ۱۔۲۳)

بائیبل کے اس بیان اور قرآن کے بیان کو ذرا وہ لوگ بالمقابل رکھ کر دیکھیں جو یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ قرآن میں یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں

(باقی)

محدثِ قرطبہ بقیؒ بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ

جناب عبدالرشید عراقی

جب ہم نظریات وافکار کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت سی ایسی ہستیوں کے نام ملتے ہیں جنہوں نے انسانی نظریات کے دھاروں کا رُخ موڑنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جب ہم کسی نظریاتی سلسلے کی کڑیاں ملاتے ہوئے اُوپر کی طرف چلتے ہیں تو ہمیں اس سلسلے میں ایسی بہت سی کڑیاں ملتی ہیں جن کے بغیر یہ سلسلہ مکمل نہیں ہوتا مگر زمانے کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ان کڑیوں کے حصے میں گمنامی کے سوا کچھ نہیں آیا۔

ہند کے شاہ ولی اللہؒ ہوں یا شام کے ابن تیمیہؒ، نجد کے محمد بن عبدالوہابؒ ہوں یا اُندلس کے ابنِ حزمؒ۔ جب ہم ان کی سیرت اور اُن کے افکار ونظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو بسا اوقات ہم ان گمنام کڑیوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اُندلس کے محدث وفقیہ امام بقیؒ بن مَخلد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قسم کے سلسلے کی ایک گمنام کڑی ہیں۔ جس کو حوادثِ زمانہ نے لوگوں کے حافظہ سے محو کر دیا ہے۔ جب ہم اندلس کے مشہور ظاہری عالم ومفکر علامہ ابن حزم جن کے افکار کے اچھوتے پن نے اہلِ عصر کو حیران وششدر کر دیا اور جن کی براہین ودلائل نے اپنے مخالفین کو لاجواب، کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں چند ایسے اہل علم کا نام ملتا ہے جن کے عقائد ونظریات سے علامہ ابن حزم بہت متاثر ہوئے۔ ان میں بقیؒ بن مخلدؒ سرِفہرست ہیں۔

ہمارے اس گمنام محدث کی جدوجہد سے قرطبہ سینکڑوں سال دارالحدیث بنا رہا مگر آج بہت کم علماء ایسے ہیں جو اس عظیم محدث وفقیہ کے نام سے زیادہ شاید ہی کچھ جانتے ہوں سبے شمار ماہرینِ قانون وفقہ "مُحلّٰی" ابن حزم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مگر ان میں بہت کم حضرات ایسے ہوں گے جو یہ جانتے ہوں کہ

وہ کون ہے جس کے افکار نے ابنِ حزم میں حریتِ فکر کی قندیل روشن کی۔

ولادت امام ابو عبدالرحمٰن بَقِیّ بن مَخْلَد بن یزید رمضان ۲۰۱ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ بقی بن مخلدؒ نصرانی الاصل تھے[1] ان کے دادا یا پردادا اندلس میں اسلامی فتوحات کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں گے۔ بلادِ مشرق کے برعکس اندلس کے نومسلموں کے متعلق ایک بات جسے مسلم اور غیر مسلم تمام اہل علم نے تسلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ اندلسی نومسلم زبان اور تمدن کے لحاظ سے پوری طرح عربوں کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اندلس کی عیسائی آبادی بھی ہسپانوی زبان بولنے کی بجائے عربی بولتی تھی[2]۔ ہسپانوی عیسائی پادری اس بات کے بڑے شاکی تھے۔ غالباً اس گھٹتے ہوئے تعصب کو ابھارنے کے لیے ہی وہاں کے جنونی مذہبی طبقے نے "شہداء" کی تحریک چلائی جس کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا۔ بہرحال یہ چیز حتمی ہے کہ اندلس کے نومسلموں نے مکمل طور پر ہسپانوی زبان و تمدن کو ترک کر کے عربی کو اختیار کر لیا تھا۔ لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ امام بقی بن مخلد کی تربیت خالص اسلامی عربی ماحول میں ہوئی اور عربی اُن کی مادری زبان تھی۔ لہٰذا عربی علوم سیکھنے میں انہیں کوئی دِقت پیش نہ آئی ہو گی۔ ان کے اندلسی اساتذہ میں سے یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ (متوفی ۲۳۴ھ) اور ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ الاعشیٰ (متوفی ۲۲۱ھ) بہت مشہور ہیں۔

بقی بن مخلدؒ کے قرطبی اساتذہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ بن وِسلاس قرطبی اللیثی نہایت ثقہ مگر قلیل الحدیث بزرگ تھے۔ ان کے پردادا وِسلاس[3] نے یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اِس لیے وہ وِلاء کے لحاظ سے لیثی تھے۔ اپنی ابتدائی عمر میں انہوں نے مؤطا امام مالک کی سماعت زیاد بن عبدالرحمٰن المعروف بہ شبطون سے کی۔ ۲۸ سال کی عمر میں حصولِ علم کی خاطر بلادِ مشرق کا سفر کیا اور امام مالکؒ رحمۃ اللہ علیہ سے بالمشافہ مؤطا کی سماعت کی۔ امام مالکؒ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے، اور انہیں

---

[1] دائرہ معارف اسلامی۔ اردو جامعہ پنجاب۔ ملاحظہ ہو "بقی بن مخلد"

[2] عبرت نامہ اندلس پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی اردو ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی۔ طبع مقبول اکیڈمی لاہور۔

[3] ابن خلکان لکھتے ہیں بربری زبان میں وِسلاس کا معنی ہے ان کا سردار دو فیات الاعیان ابن خلکانؒ جلد ۵ ص ۱۹۶۔

"اندلس کا عاقل" کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ ریاستِ فقہ ان پر ختم ہوگئی۔ اندلس میں امام مالکؒ کا مذہب ان ہی کے ذریعے پھیلا اور بے شمار علماء نے اُن سے فقہ مالک کی تحصیل کی۔ انہیں قضا کا عہدہ پیش کیا گیا مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، جس سے اُن کا مرتبہ اور بھی بڑھ گیا۔ امیر اندلس اُن کی ہر بات قبول کرتا تھا۔ ان کے مشورے کے بغیر کسی قاضی کا تقرر نہ کرتا تھا۔ اور یحییٰ صرف اپنے شاگردوں ہی کو قضا کے عہدوں پر مقرر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اندلس میں مؤطا اور امام مالکؒ کے مذہب کی ترویج ہوئی۔ آج کل مؤطا امام مالک کا جو نسخہ سب سے زیادہ متداول ہے وہ یحییٰ بن یحییٰ لیثیؒ ہی کا روایت کردہ ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ الاعشیٰؒ نے بھی حصولِ علم کی خاطر مشرق کا سفر کیا۔ مگر وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے شرف سے محروم رہے۔ کیونکہ امام مالکؒ اسی سال وفات پا گئے تھے۔ محمد بن عیسیٰؒ نے علمِ حدیث جناب سفیان بن عیینہؒ اور دیگر علمائے حدیث سے حاصل کیا —— محمد بن عیسیٰ کے سنِ وفات پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام بقی بن مَخلد سنِ شعور کو پہنچتے ہی علمِ حدیث کے حصول کی طرف راغب ہو چکے تھے۔ ہمارے پاس اس مضمون کی تیاری کے لیے اس وقت جو مآخذ اور ذرائع میسر ہیں۔ ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انہوں نے اپنے قرطبی اساتذہ میں سے سب سے پہلے کس سے استفادہ کیا۔ البتہ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ محمد بن عیسیٰ الاعشیٰ اور یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؒ کی صحبت نے اُن کے دل میں علمِ حدیث کے حصول کے شوق کو فزوں تر کر دیا تھا۔ اس شوق نے اُن کو قرطبہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور انہوں نے حصولِ علم کی خاطر مشرق کے لیے رختِ سفر باندھ لیا۔

بلادِ مشرق کا سفر یاقوت حَموی نے علامہ حُمیدی کے حوالے سے لکھا کہ امام بقی بن مخلدؒ نے بلادِ مشرق کے دو سفر کیے ہیں پہلے سفر میں وہ تقریباً بیس سال مشرق میں ٹھہرے اور دوسرے سفر میں تقریباً چودہ سال تک بلادِ مشرق میں گھومتے رہے ؎۲۔ وہ علم حدیث کے حصول کے لئے ایک شہر سے دوسرے

؎۱۔ زرقانی شرح مؤطا امام مالک جلد ۱ ص ۱۱

؎۲۔ معجم الادباء علامہ یاقوت حموی تحقیق مارگولیتھ۔ طبع ثانی مطبع ہندیہ مصر۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۹

شہر کی طرف سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ اس دوران وہ ہر سال حج کیا کرتے اور جمعہ کے سوا ہر روز روزہ رکھا کرتے تھے۔

یہ امر یقینی ہے کہ پہلی مرتبہ ۲۲۸ھ سے پہلے بلادِ مشرق میں وارد ہوئے کیونکہ امام بقی بن مخلدؒ کے تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ وہ طالبِ علم کے سلسلے میں حافظ ابو زکریا یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی کوفی سے ملے ہیں اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے علامہ ذہبیؒ اور دیگر علمائے رجال نے یحییٰ بن عبدالحمید کا سنِ وفات ۲۲۸ھ لکھا ہے[1]

امام بقی بن مخلدؒ ان چند علماء میں سے ہیں جنہوں نے حصولِ علم کی خاطر بے حد صعوبتیں اور تکالیف برداشت کی ہیں۔ یہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بہت تہی دست تھے ان کو کئی کئی روز تک کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ بسا اوقات وہ لوگوں کی پھینکی ہوئی بند گوبھی کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے انہوں نے کئی دفعہ اپنا لباس فروخت کر کے حدیث لکھنے کے لیے کاغذ خریدا[2] حصولِ علم کی خاطر ان کی یہ جاں گسل جدوجہد رائیگاں نہ گئی۔ وہ مشرق کے ہر چشمۂ علم پر پاپیادہ گئے اور اپنی پیاس بجھائی انہوں نے دو سو اسی (۲۸۰) سے زیادہ اساتذہ سے علم حاصل کیا جو نہایت ثقہ اور علمائے فحول میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے چند مشرقی اساتذہ کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے علم کے تمام مراکز سے بھرپور استفادہ کیا اور مختلف اہل علم کے نظریات سے مکمل طور پر مستفیض ہوئے۔

حجاز اس زمانہ میں مدینہ منورہ حدیث و فقہ کا سب سے بڑا مدرسہ تھا۔ صحابہ کرام فقہائے سبعہ امام مسلم بن شہاب زہریؒ، ربیعۃ الرائیؒ، اور امام مالکؒ کی آراء و فتاویٰ کا مرکز، مکہ میں عطاء بن ابی رباحؒ، طاؤس بن کیسانؒ، مجاہدؒ، ابن جریجؒ اور سفیان بن عیینہؒ کے فتاویٰ اور آراء پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ امام بقی بن مخلدؒ نے حجاز کا علم جن علماء کے ذریعے حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ للذہبی جلد ۲ ص ۶۳۰

[2] معجم الادباء۔ یاقوت حموی۔ جلد ۲ ص ۳۷۰

۱۔ ابومصعب احمد بن ابی بکر الزہری۔ (المتوفی ۲۹۲ھ)
۲۔ ابواسحاق ابراہیم بن المنذر الحزامی۔ (المتوفی ۲۳۶ھ)

دمشق دمشق تقریباً ایک صدی تک خلافتِ اسلامیہ کا مرکز رہا ہے امام بقی بن مخلدؒ کے زمانے میں دمشق میں حضرات مکحولؒ عمر بن عبدالعزیزؒ، رجاء، حیوہ اور امام شام جناب ابوعمرو عبدالرحمن بن عمرو اوزاعیؒ کے فتاویٰ اور ان کی آراء رائج تھیں۔ امام بقی بن مخلدؒ دمشق پہنچے اور مندرجہ ذیل اساتذہ کے توسط سے شام کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔

۱۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالولید ہشام بن عمار دمشقی۔ (المتوفی ۲۴۵ھ)
۲۔ ابوعبدالملک صفوان بن صالح دمشقی۔ (" ۲۳۷ھ)
۳۔ ابوعمرو عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان البہرانی دمشقی (" ۲۴۲ھ)
۴۔ ابومروان ہشام بن خالد الازرق دمشقی (" ۲۴۹ھ)
۵۔ ابوالفضل عباس بن عثمان بجلی دمشقی (" ۲۳۹ھ)
۶۔ محمود بن خالد بن یزید دمشقی (" ۲۴۹ھ)
۷۔ ابوالفضل عباس بن الولید الخلال دمشقی (" ۲۴۰ھ)
۸۔ ابوسعید عبدالرحمن بن ابراہیم بن عمرو دحیم دمشقی (" ۲۴۰ھ)
۹۔ ابوالعباس ولید بن عتبہ الاشجعی دمشقی (" ۲۴۰ھ)

مصر مصر جس طرح ہر زمانے میں علم کا مرکز رہا ہے امام بقی بن مخلدؒ کے زمانے میں بھی بہت بڑا مرکز تھا۔ امام بکیر بن عبداللہ الاشجؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے ابن وہبؒ عثمان بن کنانہؒ، اشہبؒ اور ابن القاسمؒ، اصحابِ امام شافعیؒ میں سے مزنیؒ، بویطیؒ اور ابن عبدالحکمؒ اور خود امام شافعیؒ مصر سے تعلق رکھتے تھے، اصحابِ امام مالکؒ اور اصحاب امام شافعیؒ میں علمی مناقشات بھی رہتے تھے۔ امام بقی بن مخلدؒ حصول علم کی خاطر مصر گئے اور مندرجہ ذیل علماء کے ساتھ تلمذ کا رشتہ استوار کیا۔

۱۔ ابوزکریا یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مصری۔ (المتوفی ۲۳۱ھ)
۲۔ زہیر بن عباد (المتوفی ۲۳۴ھ)

۴۔ ابوالطاہر احمد بن عمرو المعروف بابن السرح الاموی۔ (المتوفی ۲۵۰ھ)

کوفہ تمام اہلِ علم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں متفق ہیں کہ فقہ[1] اسلامی کے ارتقاء میں علمائے عراق نے سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اہلِ عراق کی فقہ حضرتِ علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پھر علقمہؒ نخعی، قاضی شریحؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابراہیم نخعیؒ، عامر شعبیؒ، سعید بن جبیرؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، سلیمان الاعمشؒ، قاضی شریکؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کی آراء پر مشتمل تھی، امام بقی بن مخلدؒ کوفہ پہنچے اور دبستانِ عراق کی آراء کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور بہت سے اہلِ علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔

۱۔ حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ۔ (المتوفی ۲۳۵ھ)

۲۔ حافظ ابوزکریا یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی الکوفیؒ (المتوفی ۲۲۸ھ)

۳۔ ابوعبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نمیرؒ (المتوفی ۲۳۴ھ)

بصرہ بصرہ کی فقہ امام حسن بصریؒ جنہوں نے پانچسو کے لگ بھگ صحابہؓ سے استفادہ کیا تھا[1] محمد بن سیرینؒ حماد بن زیدؒ اور سعید بن ابی عروبہؒ کی آراء پر مشتمل تھی۔ جناب بقی بن مخلدؒ حصول علم کی خاطر بصرہ بھی پہنچے۔ اور حماد بن زید کے اصحاب کے توسط سے اہلِ بصرہ کی آراء کا مطالعہ کیا اور ان کی احادیث کو جمع کیا ان اساتذہ میں سے ہیں محمد بن عبید بن حساب الغبری البصری (المتوفی ۲۳۸ھ) کا نام ملتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے تلمذ امام بقی بن مخلدؒ نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ طلب علم میں صرف کیا اور بلا امتیاز علم کے ہر گھاٹ پہ پانی پیا۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ان کو جو خاص تعلق قلبی تھا وہ کسی اور کے ساتھ نہ تھا۔ امام احمد بھی ان کی خوبیوں کے معترف اور ان کے بہت مداح تھے علامہ ابن حزمؒ[2] اور ابن ابی یعلیٰؒ[3] نے ان کے اس خصوصی تعلق کا ذکر کیا ہے۔ اس خصوصی تعلق

---

[1] ۔ حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ کے فتاویٰ و آراء کو بعض علماء نے سات ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین طبع مصر جلد ۱ صہ ۲۴)

[2] ۔ معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۳۶۹

[3] ۔ طبقات الحنابلہ ابن ابی یعلیٰ مطبعۃ السنۃ المحمدیہ جلد ۱ صہ ۱۲۰

کی بہت سی وجوہات ہیں ۔

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور بقی بن مخلدؒ میں مکمل فکری یکسانیت اور ہم آہنگی تھی۔ فقہ و اعتقاد میں امام بقی بن مخلدؒ جس راہ پر گامزن تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس راہ کے سرخیل تھے امام احمد بن حنبلؒ نے خلقِ قرآن کے مسئلے میں جس طرح پامردی سے ثابت قدمی دکھائی اور اہلِ سنت کے مسلک پر نہایت دلیری سے جمے رہے۔ مسلکِ سلف کی خاطر مصائب برداشت کئے۔ ان محن اور آزمائشوں نے ان کو عوام و خواص کی نظروں میں بہت محبوب بنا دیا تھا۔ فقہاء و محدثین اور دیگر علمائے اہلِ سنت ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس بارے میں جناب امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق یہاں تک لکھا۔

هذا احمد بن حنبل "امامُ اهل السّنة" الصابرُ فی المحنة الذی قد صار للمسلمین مِعیاراً یفرِّقون به بین اهل السنة والبِدعة ۔[1]

"یہ ہیں احمد بن حنبل، اہلِ سنت کے امام، آزمائش و ابتلا میں ثابت قدم رہنے والے جو مسلمانوں کے لئے ایسا معیار بن گئے جس کے ذریعے مسلمان اہلِ سنت اور اہلِ بدعت میں امتیاز کرتے ہیں۔"

لہٰذا امام احمد بن حنبلؒ سے امام بقی بن مخلدؒ کی محبت و عقیدت بالکل فطری تھی اور ہر مخالفِ بدعت ان سے محبت کرتا تھا۔

طلب علم کی راہ میں جس طرح بقی بن مخلدؒ نے صعوبتیں برداشت کیں۔ امام احمد بن حنبلؒ بھی اس راہ پہ چلتے ہوئے ان حالات سے دوچار ہو چکے تھے ۔

امام احمد بن حنبلؒ کی طرح امام بقی بن مخلدؒ پر بھی زہد غالب تھا۔ ان تمام خوبیوں کی بناء پر امام احمدؒ اور دیگر علمائے مشرق کی نظر میں امام بقی بن مخلدؒ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ حنابلہ تو ان کو اپنے اصحاب میں شمار کرتے ہیں [2] ۔ فقہائے حدیث کے طریق کے مطابق انہوں نے علم کے ہر چشمے پر پہنچ کر اپنی پیاس

---

[1] ۔ تفسیر سورۃ الاخلاص ۔ ابن تیمیہؒ ۔ مطبع حسینیہ مصر ۱۳۲۳ھ صہ ۹۰

[2] طبقات الحنابلۃ جلد ۱ صہ ۱۲۰

بجھائی۔ علم کے ہر دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اسلام کے تمام فقہاء کی آراء و اجتہادات کا استقصاء کیا۔ اس سے ان کے علم کو وسعت اور ان کے خیالات کو جامعیت عطا ہوئی۔ اور جب وہ قرطبہ واپس لوٹے تو ان کے پاس حدیث نبوی کے علاوہ تمام فقہائے اسلام کی آراء و اجتہادات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور اب وہ بقول ابن حزمؒ علم کا سمندر تھے۔[۱]

امام بقی بن مخلدؒ کی شخصیت امام بقی بن مخلدؒ دراز قد اور ستواں ناک رکھتے تھے۔ ان کی داڑھی گھنی تھی۔ ان کی طبیعت میں حد درجہ انکسار اور تواضع تھا۔ وہ عام مسلمانوں کے جنازوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔[۲] ہم سابقہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ جناب امام اپنے طالب علمی کے زمانے میں بہت تنگ دست تھے۔ انہوں نے بسا اوقات تن اور جان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے لوگوں کی پھینکی ہوئی گوبھی کے پتوں پر گزارہ کیا۔ مگر انہوں نے راہِ طلب میں کبھی ہمت نہیں ہاری۔ یہ چیز ان کی مستقل مزاجی بلند ہمتی اور عزم و استقامت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز یہ کہ انہوں نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ طلبِ علم میں صرف کر دیا۔ ان کی ان خوبیوں کی وجہ سے علماء ان سے محبت کرتے تھے۔ امام بقی بن مخلدؒ بہت ہی ایثار پیشہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے لباس کے معاملے میں بھی ایثار سے کام لیتے تھے۔ وہ بہت ہی عبادت گزار تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ ہر شب تیرہ رکعتوں میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ انہوں نے ستر جنگوں میں حصہ لیا۔ اس لحاظ سے ان چند علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے جو صاحبِ قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ سیف بھی تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھے چنانچہ ان کے سوانح نگاروں میں سے علامہ یاقوت حمویؒ، علامہ مقریؒ اور علامہ ابن عساکرؒ نے حمیدیؒ کی سند پر ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

> "ایک دفعہ بقی بن مخلدؒ کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کیا کہ فرنگیوں نے اس کے بیٹے کو قیدی بنا لیا ہے۔ اس کے پاس ایک چھوٹے سے گھر کے سوا کوئی جائیداد نہیں وہ اس گھر کو بیچ بھی نہیں سکتی۔ اس نے بقی بن مخلدؒ سے عرض کی کہ وہ کسی کو فدیہ ادا کرنے کی سفارش کر

---

[۱] معجم الادباء طبع مکتبہ عیسی البابی۔ ترجمہ بقی بن مخلدؒ"

[۲] تذکرۃ الحفاظ۔ علامہ ذہبیؒ جلد ۲ ص ۶۳۰

دیں۔ کیونکہ وہ دن رات بہت بے چین رہتی ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اسے قرار ملتا ہے جناب بقی بن مخلدؒ نے اس عورت سے کہا کہ وہ چلی جائے۔ وہ انشاء اللہ اس کے معاملے میں غور کریں گے۔ بقی بن مخلدؒ نے گردن جھکائی۔ اور دعا کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔

زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ وہ عورت پھر حاضر ہوئی۔ اب اس کے ساتھ اس کا وہی بیٹا تھا، وہ بقی بن مخلدؒ کو دعائیں دینے لگی اور کہنے لگی کہ اس کا بیٹا صحیح وسلامت واپس آگیا ہے اس کے ساتھ ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا ہے۔ جسے وہ خود ہی بیان کرے گا۔

نوجوان نے ان الفاظ میں اپنا قصہ بیان کیا۔

" میں بعض دوسرے قیدیوں کے ساتھ فرنگیوں کے بادشاہ کی قید میں تھا۔ اس بادشاہ کی طرف سے ایک آدمی مقرر تھا جو ہر روز ہم سے کام لیا کرتا تھا۔ وہ ہمیں بیگار کے لئے صحرا میں لے جاتا پھر ہمیں بیڑیاں پہنا کر واپس لے آتا۔ ایک دفعہ اس محافظ کی زیر نگرانی ہمیں بیگار سے ہانک کر واپس لایا جا رہا تھا کہ میرے پاؤں سے بیڑی کھل کر نیچے زمین پر گر پڑی۔ اس نوجوان نے اس وقوعہ کا وقت اور دن بتایا تو یہ وہی گھڑی تھی جب عورت جناب بقیؒ کے پاس حاضر ہوئی تھی۔ اور امام بقی بن مخلدؒ نے دعا کی تھی۔

اس نوجوان نے پھر کہنا شروع کیا۔" وہ شخص جو میری نگرانی کرتا تھا۔ میری طرف بڑھا اور کڑک کر بولا۔" کیا تو نے بیڑی توڑی ہے"؟ میں نے جواب دیا۔" نہیں! یہ میرے پاؤں سے خود بخود گر پڑی ہے"۔ وہ تمام لوگ میرے اس معاملے میں حیران ہو گئے۔ انہوں نے پادریوں کو بلایا۔ ان پادریوں نے مجھ سے پوچھا۔" کیا تمہاری ماں ہے"؟

میں نے ان سے کہا" ہاں"۔۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا۔" بس ماں کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ اللہ نے تجھے آزاد کیا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے تجھے قید میں رکھنا ممکن نہیں۔ تب انہوں نے مجھے زادِ راہ دیا اور مجھے مسلمانوں کی سرحد تک چھوڑ گئے۔[1]

---

[1] معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ [2] نفح الطیب، علامہ المقری، طبع عیسیٰ البابی الحلبی جلد ۹ صفحہ ۲۹

امام بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۸ یا ۲۹ جمادی الآخر بروز منگل ۲۷۶ھ میں وفات پائی[1]
امام دارقطنی رحمہ نے سن وفات ۲۷۳ھ بتایا ہے۔ حُمَیدی کہتے ہیں کہ اوّل الذکر سنِ وفات صحیح ہے[2]۔ اور
بنی عباس کی طرف منسوب قبرستان میں دفن ہوئے[3]

امام بقی بن مخلد رحمہ کا علمی مقام امام بقی بن مخلد رحمہ علمی لحاظ سے بہت بلند مقام پہ فائز تھے آج اگرچہ ہم ان کی تصنیفات سے محروم ہیں۔ غالباً امام موصوف کی تمام تصنیفات اندلس کی تباہی کی نذر ہو گئی ہیں۔ لیکن جن علماء نے ان کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے امام بقی بن مخلد رحمہ کی وسعتِ نظر اور جودتِ فکر کا برملا اعتراف کیا ہے۔ ان کو آئمہ دین میں شمار کیا ہے۔ ان کی تصنیفات اسلام کی بڑی اہم اور بنیادی کتب تسلیم کی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں ان کی نظیر نہ ملتی تھی۔ علامہ ابو محمد ابن حزم رحمہ نے امام بقی بن مخلد کو امام بخاری رحمہ اور امام مسلم رحمہ اور امام نسائی رحمہ کے ہم پلہ قرار دیا ہے[4]۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم جناب بقی بن مخلد رحمہ کے حالات زندگی، طلبِ علم کی راہ میں ان کے ذوق و شوق کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں امام ابن حزم رحمہ کے اس بیان میں ذرا بھر مبالغہ دکھائی نہیں دیتا۔

علامہ احمد المقری رحمہ نے "نَفحُ الطیب" میں امام بقی بن مخلد رحمہ کے حالات زندگی کی ابتداء اس شاندار خراجِ عقیدت کے ساتھ کی ہے۔

"...میں سابقیت اور تقدم کے مستحق (بقی بن مخلد رحمہ) ہیں"[5]

---

[1]۔ معجم الادباء جلد ۲ صہ ۳۶۸ علامہ یاقوت حموی نے معجم المؤلفین میں تاریخ وفات ۲۸ جمادی الآخر اور معجم الادباء میں ۲۹ جمادی تحریر کی ہے۔ "النجوم الزاہرۃ" کے مصنف کے مطابق ۲۸ جمادی الآخر کی رات کو وفات پائی۔ جلد ۳ صہ ۵، تاریخ الادب العربی جلد ۳ صہ ۲۰۱۔ بروکلمان نے ۲۹ جمادی الآخرۃ کو ترجیح دی ہے اور اس طرح عیسوی سن کے مطابق ۳۰۔ اکتوبر ۸۸۹ء لکھی ہے۔

[2]۔ معجم الادباء۔ جلد ۲ صہ ۳۶۸

[3]۔ معجم الادباء۔ جلد ۲ صہ ۳۶۹

[4]۔ " " نفح الطیب جلد ۹ صہ ۲۹۰

[5]۔ نفح الطیب۔ جلد ۹ صہ ۲۸۵

ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ "بقی بن مخلدؒ" علم کا سمندر تھے۔" ؎۱

پروفیسر ابو زہرہ مرحوم اپنی کتاب "ابن حزم" میں رقمطراز ہے۔

"ابن وضاحؒ حدیث نبوی کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو قرطبہ کا محدث شمار کیا جاتا تھا۔ البتہ ان میں بقی ایسی جامعیت اور وسعت علمی نہیں پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بقیؒ پر رشک کیا کرتے تھے۔ ابن حزمؒ نے بقیؒ کی طرح ان کی مدح و ستائش نہیں کی ؎۲ حالانکہ علامہ محمد بن وضاحؒ بالواسطہ ابن حزمؒ کے استاد ہیں۔

قاسم بن اصبغؒ جو بلند پایہ محدث و فقیہ تھے وہ بقول ابو زہرہ مرحوم بقی بن مخلدؒ اور محمد بن وضاح کے شاگرد بھی تھے۔ انہوں نے بلادِ مشرق کا علمی سفر بھی کیا اور انہوں نے خود بھی حدیث کا ایک مجموعہ تصنیف کیا تھا۔ امام بقی بن مخلدؒ کے بارے میں فرماتے تھے۔

"میں اندلس سے حصول علم کی غرض سے نکلا میں نے بقی بن مخلدؒ سے کچھ بھی روایت نہ کیا تھا۔ میں جب بلادِ عراق میں پہنچا اور میں نے بقی بن مخلدؒ کے فضائل سنے اور مجھے معلوم ہوا کہ لوگ ان کی کس قدر تعظیم کرتے ہیں۔ تو مجھے ان سے حدیث روایت نہ کرنے پر بڑی ندامت ہوئی۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ واپسی پر مزید ان سے ان کا تمام علم حاصل کروں گا جب ہم واپسی پر طرابلس میں تھے تو ہمیں ان کی وفات کی خبر ملی" ؎۳

ان کے علمی مرتبہ کا ان کے اساتذہ تک نے اعتراف کیا ہے۔ امام یحییٰ بن بکیرؒ سے جناب بقیؒ کو تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ یحییٰ بن بکیرؒ بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ یحییٰ بن بکیرؒ امام مالک اور امام لیث بن سعدؒ کے علوم کے جامع تھے۔ انہوں نے امام مالکؒ سے سترہ بار مؤطا کی سماعت کی ۔۔۔ ان کے متعلق امام بقی بن مخلدؒ خود روایت کرتے ہیں۔

؎۱۔ معجم الادباء جلد ۲ ص ۳۶۹

؎۲۔ "ابن حزم" پروفیسر ابو زہرہؒ اردو ترجمہ ص ۳۹۳

؎۳ معجم الادباء جلد ۲ ص ۲۰۰۔ شاید کچھ بھی روایت نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ علامہ قاسم بن اصبغؒ مسند بقی کی سماعت سے محروم رہے ورنہ علامہ قاسم کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انہوں نے بقی بن مخلدؒ سے حدیث سنی ہے۔

"میں جب عراق سے واپس لوٹا تو جناب یحییٰ بن بکیرؒ نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور مجھ سے سات احادیث سنیں۔[1]

ابو الولید ابن الفرضیؒ ان الفاظ میں بقی بن مخلدؒ کے علم کا اعتراف کرتے ہیں۔

"بقی بن مخلدؒ نے اندلس کو حدیث نبویؐ سے بھر دیا۔"[2]

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں جہاں مختلف امصار کے فقہائے فحول کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے امام بقی بن مخلدؒ کو اندلس کے فقہاء میں شمار کیا ہے۔[3]

قاسم بن اصبغؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے احمد بن ابی خیثمہؒ کو بقی بن مخلد کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "ہم بقی کو جھاڑو کہا کرتے تھے"۔ (یعنی انہوں نے سارا علم سمیٹ لیا ہے۔ "وہ شہر جہاں بقی بن مخلدؒ قیام پذیر ہوں وہاں سے بھی کسی کو ہمارے پاس آنے کی ضرورت ہے"؟ ہم نے عرض کی "کیا آپ ہمیں ابن ابی شیبہؒ کے رجال کی احادیث بھی نہ سنائیں گے"؟ فرمانے لگے۔ "وہ بھی نہیں" یعنی اس کی بھی ضرورت نہیں۔[4]

امام بقی بن مخلدؒ کے فقہی نظریات

امام بقی بن مخلدؒ کا فقہی مسلک وہی تھا جو فقہائے حدیث کا تھا۔[5] امام بقی بن مخلدؒ نے جب بلادِ مشرق کے سفر کا ارادہ کیا تو اس وقت اگرچہ انہوں نے صرف امام مالکؒ کی آراء اور ان کی فقہ پہ دسترس حاصل کی تھی مگر ان کے علمی شوق اور ان کے مختلف امصار میں جاکر حدیث کی سماعت کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کے دائرے میں محصور نہ رکھ سکے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے حد درجہ محبت اور عقیدت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فقہیات میں خالص

---

[1] ۔ تذکرۃ الحفاظ ۔ علامہ ذہبیؒ جلد ۲ صہ ۶۳

[2] ۔ اعلام الموقعین ۔ جلد ۱ صہ ۲۷

[3] ۔ معجم الادباء ۔ یاقوتِ حموی جلد ۲ صہ ۳۷۰

[4] ۔ نفح الطیب میں علامہ مقری لکھتے ہیں "کان اماماً زاھداً صواماً صادقاً کثیر التھجد مجاب قلیل المثل مجتھداً لا یقلد احداً بل یفتی بالاثر۔ (جلد ۹ ص ۲۸۸)

اہلِ حدیث یا اثری نقطۂ نظر کے حامل تھے۔ اس کے بعد انہوں نے جتنے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس سے وہ اپنے اس مسلک میں راسخ ہوتے چلے گئے۔ بالعموم تمام فقہائے اہلِ سنت کا خواہ وہ کسی شہر یا کسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں یہی مسلک تھا لیکن ان میں سے فقہائے حدیث بالخصوص اس مسلک پر بڑی سختی سے پابند تھے۔ فقہائے اہلِ سنت مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام لیث بن سعدؒ، امام ابن ابی لیلیٰؒ، امام شافعیؒ، امام ابوثورؒ، امام احمد بن حنبل، امام ابوعُبیدہ قاسم بن سلّام اور امام اسحاق بن راہویہ اور اُن کے شاگرد احکامِ شریعت کے استنباط کے لئے سب سے پہلے نصوصِ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے۔ پھر اجماعِ صحابہ میں اس مسئلہ کے حکم کو تلاش کرتے۔ اگر یہاں بھی ان کو کوئی حکم نہ ملتا تو صحابہ کرام کے انفرادی اقوال و افعال میں سے کسی کو مشعلِ راہ بنا لیتے تھے اور اس قول کو اختیار کرتے وقت اس اصول کو مدِنظر رکھتے تھے کہ وہ قول قرآن و سنت کی منشا، مقاصدِ دین اور مصلحتِ عامہ کے قریب تر ہو۔ اگر صحابہ کرامؓ کا قول نہ ملتا تو بسا اوقات تابعین میں سے کسی کے قول کو اختیار کر لینے کو ترجیح دیتے تھے۔ حتی الامکان قیاس سے بچتے تھے اور قیاس کے مقابلے میں ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔[1] لیکن ضرورت پڑنے پر ناگزیر صورت نصوص پر قیاس کرتے ہوئے مسئلے کا حکم تلاش کر لیتے تھے۔ یہ ہے فقہائے اہل سنت کا عمومی تعامل۔ فقہائے حدیث کی وہ تصنیفات جن میں مسند احادیث کے علاوہ صحابہ کرام اور فقہائے تابعین کے فتاویٰ اور اجتہادات بھی ملتے ہیں۔ ہمیں ان میں یہی ترتیب ملے گی۔ چنانچہ ہمیں مؤطا امام مالکؒ، مصنف عبدالرزاقؒ، سنن ترمذیؒ، سنن دارمیؒ، ابوعبیدؒ کی کتاب الاموال اور دیگر کتبِ حدیث میں یہی اسلوب ملتا ہے۔ آج اگرچہ مسند بقی بن مخلدؒ نایاب ہے لیکن علامہ ابن حزمؒ نے مسند بقی کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسند بقی بن مخلدؒ مصنف عبدالرزاقؒ اور مصنف ابن ابی شیبہؒ سے مشابہ تھی۔ اور یہی ان کی فقہ تھی لہٰذا ہم اس بنیاد پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کا فقہی مسلک وہی تھا جو دیگر اصحابِ تصانیف فقہائے حدیث کا تھا۔

ان کا یہ مسلک نقل کرنے میں ان کے تمام سوانح نگار متفق ہیں کہ وہ اجتہاد کرتے تھے اور کسی کی تقلید

(باقی بر صفحہ ۲۸۳)

[1] - اعلام الموقعین، علامہ ابن قیمؒ جلد ۱ ص ۳۱

منیر رپورٹ سے منیر رپورٹ تک

(ریٹائرڈ جسٹس منیر صاحب کی تازہ کتاب پر ایک نظر)

جناب نعیم صدیقی صاحب

یہ سمجھ کر کہ یہ کتاب ۱۹۷۹ء کی ایک اہم کتاب ہوگی، میں نے اپنے مصروف اوقات میں خاص طور سے گنجائش نکالی کہ اسے بغور پڑھوں۔ میرا اشارہ ہے، ریٹائرڈ فاضل جسٹس منیر صاحب کی کتاب "فرام جناح ٹو ضیا" کی طرف۔ مجھے افسوس ہوا کہ دس ڈالر کی اس چھوٹی سی کتاب میں کوئی نیا مواد نہیں بلکہ وہی کچھ ہے جسے منیر رپورٹ میں پڑھ چکا تھا۔ منیر رپورٹ جس دور سے متعلق تھی اس کی گرما گرمی سے گزر کر جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب کا کچھ ذہنی کامپلیکس ہے جس نے لفظوں، لکیروں اور نقطوں کی شکل میں ایک عنکبوتی جالے کی ہیئت اختیار کر لی ہے۔ رپورٹ کے صفحات پر عنکبوتی جالا اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ تحقیقاتی عدالت کے قیام کا اصل منشا غت ربود ہو گیا ہے۔ ہاں ایک فوقیت یافتہ شخص کو جو اتفاق سے اضطرابات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کا صدر بھی تھا، کارروائی پر حاوی بھی رہا، اور جس نے نتائج تحقیقات کی رپورٹ بھی مرتب کی، اس نے کچھ ذہنی آسودگی ضرور حاصل کر لی۔ یہ رائے میں نے اس وجہ سے قائم کی ہے کہ جس زور سے اس رپورٹ میں سیکولرازم کی تبلیغ کی گئی ہے اور پڑھنے والے کے ذہن پر اسے ٹھونسنے کا اہتمام کیا گیا ہے، نیز جس بری طرح اسلام کو چرکے لگانے کے لیے علماء کو نشانۂ تحقیر و تمسخر بنایا گیا ہے، یہی یک طرفہ انتہا پسندانہ رنگ کسی بڑے ذہنی ردِ عمل کا سراغ دیتا ہے۔ اس ذہنی ردِ عمل نے ساری بحث و گفتگو کو توازن سے محروم کر دیا ہے۔ یہی نہیں، اس میں وہ حقیقی

شائستگی اور پابندیٔ آداب ملحوظ نہیں ہے جو سنجیدہ سطح پر علمی ـــــ خاص طور پر دینی ـــــ موضوعات پر اختلافی گفتگوؤں میں شرفاء کا شعار ہے۔ یہاں تو صاف طور پر جناب متکلم اپنے حق میں نہ صرف دعوائے علم رکھتے ہیں۔ بلکہ کسی قدر کبر علم ـــــ علم بھی محض دنیوی یا قانونی امور تک محدود نہیں، بلکہ دین و شریعت کا علم بھی شامل دعوئی ہے۔ ادھر دوسرے فریق کی کوتاہیٔ علم اور اس کی کم فہمی کا تذکرہ بھی ہے اور ساتھ ہی تضحیک بھی۔ خصوصاً یہ امر قابلِ غور ہے کہ تحقیقاتی عدالت کا جج صحیح طور پر ایک غیر جانبدار جج نہیں رہتا، بلکہ وہ خود فریق بن جاتا ہے۔

میں بزرگ فاضل جسٹس منیر صاحب کے احترام واجب میں ذرا سا فرق لائے بغیر یہ کہتا ہوں کہ ردِعمل سے پیدا ہونے والی انتہا پسندی کا زہر قومی مسائل کا تجزیہ کرنے والی لیبارٹری کے تمام کیمیا ویات میں حل ہو گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس رپورٹ کے اندر قومی بلکہ دینی مسائل زہر آلود ہو کر سامنے آئے ہیں۔ کیا قوم کے روپے اور صدہا افراد کے وقت کا ایسا استعمال معقول تھا؟

دس ڈالر کی لاگت کی یہ کتاب درحقیقت اس حادثے کا نوحہ ہے کہ منیر رپورٹ مر چکی ہے ـــــ اور وہ تو جنم لینے کے ساتھ ہی مر چکی تھی۔

انسان کے لیے یہ تجربہ بہت دردناک ہوتا ہے کہ اس کی فکری یا اعتقادی ہستی اس کے سامنے موت کے گھاٹ اُتر جائے۔ یہ تو جسٹس منیر کی ہمت ہے اور ہمیں اس کی داد دینی چاہیے کہ وہ خاموشی کا ایک لمبا وقفہ گذار کر جب موقع پاتے ہیں، منیر رپورٹ کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں اور سیکولرازم کا وعظ سنانے لگتے ہیں حتیٰ کہ اگر اُن کی بات کو کوئی نہ سُن رہا ہو، کہیں اثر نہ پڑ رہا ہو، کسی کے دماغ میں تبدیلی نہ آ رہی ہو، تب بھی وہ منیر رپورٹ کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ ہی کو مخاطب بنا لیتے ہیں ـــــ بات سیکولرازم کی سہی۔ مگر استقامت و استواری کی اپنی جگہ بڑی قدر و قیمت ہے۔ اس تکرارِ کلام کا ایک مقصد اپنے آپ کو اپنی مرجانے والی فکر کے زندہ ہونے کا یقین دلانا بھی ہے۔

فاضل جسٹس منیر نے اپنی تازہ کتاب میں پوری منیر رپورٹ کا خلاصہ دوہرا دیا ہے، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی رپورٹ کا ذکر کر کے خوش ہوتے ہیں اور مزہ لیتے ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی نفسیاتی تجزیہ کار اُن کی تحریر میں "نرگسیت" کا سراغ لگا لے۔

منیر رپورٹ کی شانِ عالی لیجیے آپ رپورٹ کے متعلق جسٹس صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے

کیونکہ داناؤں کا نظریہ یہ مشہور ہے کہ تصنیف را مصنّف نیکو کند بیان۔ جسٹس صاحب کی نیک بیانی (تلخیص کردہ) کی ایک جھلک :-

یہ بڑی لمبی تحقیقات تھی، مگر ایک خوشگوار اور دلچسپ کام تھا۔ یکم مئی ۱۹۵۳ء کو آغاز ہوا اور ۱۰ اپریل ۱۹۵۴ء کو رپورٹ داخل کر دی گئی۔ اس میں ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل تحریری بیانات شامل ہیں۔ ۲۷۰۰ صفحات شہادتوں کے ہیں۔ ۳۴۹ دستاویزات لی گئی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات خطوط کے لیے وقف ہیں۔ بے شمار کتابیں، پمفلٹ، رسائل اور اخبارات شامل ہیں۔ عدالتی تحقیقات کی اصل رپورٹ ۳۸۷ مطبوعہ صفحات پر حاوی ہے۔

اس رپورٹ کے بعد پاکستان کے متعلق جو کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان میں سے اکثر میں اس رپورٹ کے حوالے ملیں گے۔

بیشتر پاکستانی اخبارات نے اس پر زوردار تبصرے کئے۔ بعض نے سرخیوں میں اسے "ایک عظیم دستاویز" (A GREAT DOCUMENT) اور "ایک تاریخی دستاویز" (A HISTORICAL DOCUMENT) قرار دیا۔ انگلستان اور آسٹریلیا میں بھی جرائد نے تبصرے کیے۔

پروفیسر حتّی نے تاثراتی خط لکھا اور ملاقات میں کہا کہ میں پاکستان سے ایسی کسی چیز کے نمودار ہونے کی توقع کر رہا تھا۔

کینیڈا کے ایک پروفیسر نے لکھا کہ میں نے اپنے طلبہ کے لیے موسم گرما کے مطالعاتی پروگرام میں اس رپورٹ کو شامل کیا ہے۔ (ص - ۴۱ - ۴۲)

رپورٹ اور شاہ ایران | سب سے زیادہ قابل توجہ شاہ ایران کی دلچسپی کا ذکر اور اس کے ساتھ منیر صاحب کا دردمندانہ تاثر ہے۔ منیر صاحب بتاتے ہیں۔

شاہ ایران نے مجھ سے رپورٹ کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ اس میں کیا کیا ہے اس پر انہوں نے فرمایا کہ ایسے ہی مسائل اُن کے یہاں بھی درپیش ہیں۔

یہاں بڑے حسرت و حرماں کے ساتھ جسٹس منیر فرماتے ہیں کہ:

آج ایران میں خمینی کے ہاتھوں انقلاب آچکا ہے۔ اسلامی ری پبلک کا قیام عمل میں آرہا ہے۔ شاہ اور ملکہ میکسیکو (MEXICO) میں پناہ گزین ہیں (نوٹ: کتاب کی اشاعت کے بعد شاہ کے ستارے نے اور بھی گردشیں مکمل کر لی ہیں) اور بہت سے سر جن میں شاہ کی حمایت کا سودا تھا، قلم ہو چکے ہیں۔ (ص - ۴۲)

ان کلماتِ حسرت و حرماں کو پڑھ کر یہی خیال آتا ہے کہ شاہ (اور ملکہ) کی تقدیر اگر اچھی ہوتی تو وہ پاکستان سے جسٹس منیر صاحب کو بلواتے اور اپنے ہاں ایک تحقیقاتی عدالت لگوا کر تمام علماء اور مجتہدین کو اس میں پیش کرا دیتے۔ پھر منیر صاحب ان کو طنز و تضحیک کا نشانہ بناتے اور خود اسلام کے قلب و جگر میں سیکولرازم کے نشتر سے عمل جراحی کرنے کے بعد ایک ایرانی منیر رپورٹ مرتب کرتے۔ پھر نہ خمینی کی بات کوئی سنتا، نہ دوسرے علماء کی دال گلتی، نہ شاہ اور ملکہ کو تخت اور وطن چھوڑنا پڑتا اور نہ کسی شاہ پرست کا سر قلم ہوتا۔ امن چین کی شاہی چلتی رہتی۔

گویا منیر صاحب کے پاس روایتی جناتی کہانیوں کا کوئی "اسمِ اعظم" تھا جس کے طلسماتی عمل سے سیاسی مد و جزر کو روکا جا سکتا تھا اور تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا جا سکتا تھا۔ کون منیر صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی گستاخانہ جسارت کر سکتا ہے کہ دنیا کی تاریخ تحقیقاتی عدالتوں کی رپورٹوں[1] سے نہیں بنتی، جن کے مرتبین کا کمرۂ عدالت سے باہر عوامی سیاست کے دائرے میں کوئی مقام نہیں ہوتا، اور جن کا سارا احترام قانونِ انسداد توہین عدالت کے بل پر قائم ہوتا ہے۔ تاریخ کو تبدیل کرنے والے عوامل کا تعین اس واقعہ کی توجیہہ سے ہو سکتا ہے کہ مکہ کے دارالندوہ کے عالیشان ایوان میں جو سرداران قریش عبا و قبا کے ساتھ کثیر تعداد میں مشورے کیا کرتے تھے، ان کو ایک غریبانہ سے خانۂ ارقم میں سر چھپانے والے فقیروں کے ذکر و فکر نے کس طرح زک دے دی۔

خیر جسٹس منیر صاحب کو ہم کیوں مجبور کریں کہ وہ سیکولرازم کی بے جان میت کو الگ رکھ

---

[1] جسٹس منیر صاحب کا زعم یہی ہے کہ اس رپورٹ میں ایسا طلسمی اثر موجود ہے۔

تاریخ پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا کھوج لگائیں۔ البتہ اُن سے ہم یہ ضرور پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نظر میں آیت اللہ خمینی کی اسلامی ری پبلک کتنی بھی بُری ہو، آخر اُس نے ریفرنڈم کرایا ہے۔ دستور تیار کرایا ہے۔ انتخابات کرا رہی ہے۔ اس کے بالمقابل آپ میں شاہ پرستی کیوں ہے؟ آپ کو علامہ خمینی سے یہ توقع کیوں تھی کہ وہ شاہ کے نظامِ ظلم کے اُن آلۂ ہائے کار کی بندوقوں اور تلواروں کو چومتے جنہوں نے حالیہ انقلاب میں کئی ہزار سروں کی فصل کاٹی اور جنہوں نے شاہ کے دور میں سیاسی اور دینی حلقوں سے صدائے اختلاف اُٹھانے والے ہر آدمی کا صفایا کر دیا۔ یہاں تک کہ شاہ کے تخت کے پائے ہمیشہ ایران کے بے گناہ مسلمانوں کے خون میں ڈوبے رہے۔ شاہ کیسا بھی خانہ برانداز چمن بنا رہا ہو اور اس کے ان گنت کشتگانِ ناز کے لاشے چپے چپے پر تڑپتے رہے ہوں۔ اُن کے خیال سے تو جسٹس صاحب کے کانوں پر جوں تک کبھی نہ رینگی، مگر اب خونخوار بادشاہت کے چھینے قاتلانِ عوام کی نسبتہً بہت کم تعداد کو کیفر کردار تک پہنچانا آنجناب کو سخت ناگوار گذرا ہے۔

یہ فرق شاید اس لیے کہ شاہ بہر حال سیکولرسٹ ہونے کے لحاظ سے جسٹس منیر صاحب کا ہم مشرب تھا۔ اور کوئی سیکولرسٹ اگر کشتوں کے پشتے بھی لگا دے تو یہ حق۔ مگر آیت اللہ خمینی چونکہ اسلامی انقلاب لا کر اسلامی ری پبلک قائم کرنے کا جرم کر چکے ہیں۔ لہٰذا اُن کے دور میں کسی بدترین خونریز کی نکسیر بھی پھوٹے تو مقامِ ماتم و اضطراب ہے۔

رپورٹ کا کراماتی اثر اب جسٹس صاحب کا ایک اور دلچسپ نکتہ اپنی رپورٹ کی شان میں سُنیے۔ ارشاد کی تلخیص یہ ہے:

> انکوائری کمیٹی کی رپورٹ حکومت کو پیش کرنے کے بعد اسلامی ریاست کا مطالبہ سرد پڑ گیا۔ علماء پس منظر میں دھکیل دیے گئے۔ پھر کوئی آواز ۱۹۶۲ء سے پہلے نہ اُٹھی۔ جب کہ جماعت اسلامی کے ایک آدمی[1] نے کابینہ میں اسلام کو نظریۂ پاکستان قرار دیا۔ (۱۱۱/۷)

---

[1] یہ غالباً ذکر ہے مشرقی پاکستان کے مرحوم بیرسٹر اختر الدین صاحب کا جو ایوب صاحب کی کابینہ میں تھے، مگر اُس وقت وہ جماعت اسلامی کی نمائندگی کی پوزیشن میں نہ تھے۔

یہاں واشگاف طور پر منیر صاحب نے اپنی رپورٹ کی "کرامات" بیان فرمادی ہیں اور اس مقام پہ ایک دبا دبا سا اظہار فخر و مباہات محسوس ہوتا ہے۔

مگر کیا حالات کے متعلق یہ واقعی اور صحیح بیان (STATEMENT) ہے؟

لبطور خلاصہ اُس وقت کا نقشہ احوال پیش کرتے ہوئے میں یہ اشارا ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی دستور سازی میں سب سے بڑی حائل قوت سیکولر، آزاد منش مغرب پسند طبقے کی تھی جس نے ہر مرحلے پہ نا جبر بے جا سے کام لیا۔ اور ہر بار دودھ میں مینگنیاں ڈالنے کی کوشش کی۔ اس کشمکش کی وجہ سے دستور سازی کا پہلا اقدام قرار دادِ مقاصد پاس کرنے کی صورت میں مارچ ۱۹۴۹ء میں ہوا۔ ڈیڑھ سال بعد ستمبر ۱۹۵۰ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ سامنے آئی۔ یہ نہ صرف قرار دادِ مقاصد سے کھلا تضاد رکھتی تھی بلکہ مختلف اداروں، جماعتوں، اخبارات اور علما نے اسے "کتاب و سنت کے ساتھ مذاق" — "اسلام کے نام پر ٹھٹھ" — "دینی تصور میں تحریف" — "اسلام اور جمہوریت دونوں کو جھٹکا" — "شہری آزادی کا خون" — "۱۹۳۵ء کے ایکٹ سے بدتر" — قرار دیا گیا اور مطالبہ اٹھا کہ اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے۔ اور یہی حشر اس کا ہوا۔ پھر اٹھارہ ماہ تک فضا ٹھنڈی رہی۔ (یہ تحقیقاتی عدالت سے پہلے کی بات ہے) اس سناٹے کو پھر مولینا مودودی مغفور نے توڑا۔ اور مئی ۱۹۵۲ء تک مطالبہ دستور اسلامی کی تحریک کی دوسری لہر اٹھا دی — ۸ نکاتی دستوری مطالبہ سامنے لا کر تقاضا کیا گیا کہ ۱۹۵۲ء کے خاتمے تک دستور بنایا جائے۔ ملک بھر میں مدوجذر پیدا ہو گیا اور خواجہ ناظم الدین نے جو وزیر اعظم تھے، بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ دسمبر ۱۹۵۲ء میں پیش کر دی۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں تمام گروہوں کے علما نے اس میں متفقہ ترامیم پیش کر دیں۔ اور علماء کا یہ اتفاق ۱۹۵۱ء کے بعد دوسری بڑی تاریخی مثال ہے۔ یہی ۱۹۵۳ء تھا جب کہ اضطرابات پنجاب کا ظہور ہوا۔ اور مولینا مودودی اور اُن کے بہت سے رفقاءِ جماعت گرفتار کر لیے گئے۔ خواجہ ناظم الدین کی وزارت ختم ہو گئی۔ پھر یکایک محمد علی بوگرا مسندِ حکومت پہ آ گئے۔ غلام محمد کے زیر سایہ محمد علی بوگرا

سلہ رائے عام کا تفصیلی ریکارڈ "دستوری سفارشات اور اُن پہ تبصرہ" کے زیر عنوان جمع شدہ ہے اور یہ کتاب شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان نے شائع کی تھی۔

نے ایک "عبوری دستور" کا شوشہ کھڑا کیا، مگر عوامی فضا ایسی تھی اور اُسے مؤثر رکھنے کے لیے رابطہ عامہ اور اشاعتی ذرائع سے کام کرنے والے اتنا کام کر رہے تھے کہ شوشہ چل نہ سکا۔ اگر یہ خلا کا دور ہوتا تو سیکولر دستور بن کر چل جاتا۔ بوگرا صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ ۱۹۵۴ء کے آخر تک دستور پیش کر دیں گے اور ۱۹۵۴ء ہی وہ بدقسمت سال تھا کہ دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ اور خوف و دہشت کی تاریکیاں پھیلا دی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ مغرب پرست اکابر اپنی مرضی کا دستور بنا سکیں[1]۔ مگر ۱۹۵۵ء میں جب نئی دستور ساز اسمبلی آگئی اور اُس نے کام شروع کر دیا تو اسلامی دستور کا مطالبہ پھر زور پکڑ گیا۔ اسی سال مولینا مودودی مغفور رہا ہو گئے اور انہوں نے اسلامی دستور کے لیے پھر عوامی تحریک کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ کہ ۱۹۵۶ء کا دستور مرتب ہوا اور چوہدری محمد علی کی سربراہی میں نافذ ہوا۔ اب اس دستور کے تحت ہونے والے انتخابات کو ۱½ سال تک مؤخر کیا گیا۔ اور اس درمیانی وقفے میں محلاتی سازشوں کا خوب زور رہا اور پھر اس دستور سے جان چھڑانے کے لیے سکندر مرزا نے سرے سے جمہوریت ہی کو ایسی ٹھوکر لگائی کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ صرف مارشل لا رہ گیا۔ (غالباً یہ بھی منیر رپورٹ کی اصل کرامات)۔

اس لمبی کہانی کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ منیر صاحب اور اُن کے ہم خیالوں کو یاد دلا دیا جائے کہ نہ صرف یہ کہ منیر رپورٹ کے آنے سے تحریک اسلامی دستور میں کوئی خلا واقع نہیں ہوا[2]۔ بلکہ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک اسلامی عوامل اپنا کام کر رہے ہیں۔

بات کو آگے لے چلنے سے پہلے میں بڑے ادب سے یہ کہوں گا کہ کوئی جج چاہے وہ ریٹائر نہ ہوا ہو، یہ استحقاق نہیں رکھتا کہ وہ تاریخ کو جس طرح چاہے تصنیف کر دے۔ تاریخ کسی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ نہیں ہے کہ لکھنے والا جو رنگ بھرنا چاہے اس میں بھر دے۔ (باقی)

---

[1] یہی وہ زمانہ ہے جب کہ مشرقی پاکستان میں جگتو فرنٹ اور مغربی پاکستان میں ری پبلکن پارٹی کا ظہور ہوا جس کے متعلق بڑی خوشی کے ساتھ جسٹس صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں کے منشوروں میں اسلام یا قرآن یا سنت کا کوئی ذکر نہ تھا (۱۱۱/۷) یعنی سیکولر جماعتیں بنیں (۱۱۱/۷) مگر یہ مصنوعی جماعتیں کتنی پادرہوا ثابت ہوئیں۔

[2] اگر ضرورت ہو تو منیر صاحب کی خدمت میں ایسی بہت سی تقریروں اور تحریروں کا ریکارڈ پیش کیا جا سکتا ہے جو عین اس زمانے میں کی گئیں جس کے متعلق وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت کا تذکرہ ختم ہو گیا۔ اور علماء گمنامی کے اندھیرے میں ڈوب گئے۔ ۱۹۶۲ء کے ایوبی دستور میں آخر اسلامی ریاست کی اصطلاح کہاں سے آ گئی؟

رسائل و مسائل

فوجداری جرائم میں حقِ دعویٰ و مصالحت

ملک غلام علی صاحب

سوال:۔ مروج قانونی اصطلاح کے مطابق جرائم جو مستلزم سزا ہیں انہیں بالعموم دیوانی اور فوجداری جرائم میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دیوانی مقدمات میں عام طور پر مالی تاوان یا قید کی سزا دی جاتی ہے اور فوجداری جرائم میں اس کے علاوہ سنگین مقدمات میں موت تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں حدود یا قصاص کے مقدمات فوجداری نوعیت کے ہیں۔ مگر اُن کے مابین فرق و امتیاز واضح طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔ مثلاً اُن میں سے ہر جرم آیا قابلِ دست اندازیٔ حکومت ہے یا نہیں اور دعویٰ دائر ہو جانے کے بعد آیا ہر فوجداری مقدمہ قابلِ راضی نامہ ہے یا نہیں۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہر ایسا مقدمہ قابلِ راضی نامہ مابین فریقین ہے۔ قتل کے مقدمات، قاتل و مقتول یا مقتول کے وارثوں میں قابلِ راضی نامہ ہیں۔ لیکن ان میں حقِ دعویٰ اور قصاص لینے کا حق کس کو حاصل ہے۔ اگر اس میں مدعی و مدعا علیہ باہم مصالحت اور سمجھوتہ کر لیں تو کیا ریاست یا حکومت ثبوتِ جرم کے باوجود کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ اگر ایسا ہو تو بعض قتل رائگاں جائیں گے اور جن مجرمین کے پاس طاقت یا دولت ہے وہ مظلومین کا منہ بند کر دیں گے۔ جو وارث مقتول کے قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں اُن کی کوئی متعین فہرست ہے یا ہر قسم کا رشتہ دار یا خاندان کا فرد اس کا حق رکھتا ہے۔

جواب:۔ اسلام کے نظامِ قانون کی رُو سے بعض فوجداری جرائم ایسے ہیں جن میں ملزم کے

خلاف حکومت یا ہر شہری مدعی یا فریق مقدمہ بن سکتا ہے، مثلاً سرقہ، ڈاکہ، رہزنی، زنا۔ ان جرائم کو جرائم حدود کا نام دیا گیا ہے یہ ناقابلِ راضی نامہ ہیں۔ اس کے برعکس بعض جرائم ایسے ہیں جن میں مستغیث یا فریق یا تو وہ شخص بن سکتا ہے جو خود مظلوم اور ملزم کی تعدی کا شکار ہوا ہو اور اگر مظلوم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو تو صرف مظلوم کے اولیا، اور ورثا ہی مدعی یا فریق مقدمہ بن سکتے ہیں۔ البتہ کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر مظلوم کا ولی حاکم و قاضی ہوگا۔ اُن کے ماسوا کوئی دوسرا شخص فریقِ مقدمہ نہیں بن سکتا۔ ان جرائم کو جرائمِ قصاص کہا جاتا ہے۔ جرمِ قتل کا شمار بھی جرائمِ قصاص میں ہوتا ہے۔ جرائمِ حدود میں اسے شامل نہیں کیا گیا۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۳ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا۔

(قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اُس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے)۔

قرآن مجید میں یہاں ولی کے حق کے لیے سلطان کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد حجت (LOCUS STANDI) ہے جس کی بنا پر وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس ارشادِ ربانی سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں بلکہ اولیائے مقتول ہیں۔ اولیائے مقتول سے مراد مقتول کے وہ وارث ہیں جنھیں شرعی قانونِ وراثت کی رُو سے مقتول کے ترکے میں سے حصہ مل سکتا ہے۔

امام کاسانی اپنی کتاب البدائع والصنائع جلد ۷ میں: "بیان من یستحق القصاص" (اس کا بیان کہ قصاص کا مستحق کون ہے) کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

المقتول لا یخلو اما ان یکون لہ وارث واما ان لم یکن۔ فان کان لہ وارث فالمستحق للقصاص ھو الوارث کالمستحق للمال...... والورثۃ خلفاءہ وکل واحد من احاد الورثۃ خصم عن المیت فی حقوقہ فی الدیۃ والدین۔

(مقتول کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا، یا تو اُس کا کوئی وارث ہوتا

ہے یا نہیں ہوتا۔ اگر اس کا کوئی وارث ہو تو قصاص کا مستحق وہی وارث ہے جس طرح کہ وہ مال کا مستحق ہوتا ہے۔ وارث ہی مقتول کے جانشین اور نائب ہوتے ہیں اور وارثوں میں سے ہر ایک مقتول کی طرف سے خصم یعنی دیت اور قرض وغیرہ کے معاملات میں مدعی ہوتا ہے)۔

یہ اصول دیگر کتبِ فقہ میں بھی مذکور ہے مثلاً ہدایہ کے ابواب القتل میں مصنّف لکھتے ہیں:

القصاص طریقہ طریق الوراثۃ کالدین وھذا لانہ عوض عن نفسہ فیکون الملک فیہ لمن لہ الملک المعوض کما فی الدیۃ

(قصاص کے حصول کا طریقہ وراثت کے حصول کے مطابق ہے جس طرح وارث اپنے مورث کا ورثہ اور قرض وصول کرتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ قصاص جان کا بدلہ ہے تو قصاص میں بھی حق اور ملکیت اسی کو حاصل ہو گی جس کو دوسرے مالی حقوق دیت وغیرہ میں حاصل ہوتے ہیں)۔

ہدایہ کی شرح عنایہ اور دوسری شرح فتح القدیر دونوں میں مذکورہ بالا اصول درج کرنے کے بعد مزید وضاحت اور توجیہ ان الفاظ میں درج ہے۔

الاصل استیفاء القصاص حق الوارث عندہ۔

(امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ قصاص کی تحصیل و تکمیل وارث کا حق ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دو رفقاء اور شاگرد قاضی ابویوسف اور امام محمد کا استدلال فتح القدیر شرح ہدایہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

عندھما القصاص حق ثابت لمورث ابتداء من کل الوجوہ ثم ینتقل بعد موتہ الی الوارث بطریق الوراثہ کسائر املاکہ۔

(امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک حق قصاص ابتداء میں تو مورث کے لیے ثابت ہوتا ہے (اگر وہ زندہ رہے تو خود لے گا ورنہ) اس کی موت کے بعد بہمہ وجوہ یہ حق وارث کی طرف بطریق وراثت منتقل ہوتا ہے جس طرح اس کی جملہ املاک وارثوں

کی جانب منتقل ہوتی ہیں)۔

شریعتِ اسلامی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو افراد ذمہ دارانہ حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، ان کی خطاء پر بعض اوقات اُن سے زیادہ سخت طریق پر باز پرس ہوتی ہے اور عام افراد کے مقابلے میں انہیں رعایت دینے اور نرمی اختیار کرنے کے بجائے شدت برتی جاتی ہے۔ سورۃ احزاب آیت ۳۰ میں ازواجِ مطہرات سے فرمایا گیا:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔

(اے نبی کی بیویو تم میں سے اگر کوئی صریح بُرائی کا ارتکاب کرے گی تو اُسے دہرا عذاب دیا جائے گا)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ ازواجِ مطہرات سے ایسی بات کا اندیشہ تھا۔ بلکہ اس سے مقصود انہیں یہ احساس، دلانا تھا کہ اسلامی معاشرے میں اُن کا مقام جس قدر بلند ہے اس کے لحاظ سے اُن کی ذمہ داریاں بھی بہت سخت ہیں۔ البحر الرائق جو حنفی فقہ کی مستند کتاب ہے اس کے حوالے سے مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی اپنی کتاب علم الفقہ جلد سوم میں روزے کی قضا اور کفارے کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:۔

"اگر کسی بادشاہ پر کفارہ واجب ہو تو اُسے غلام کو آزاد کرنے یا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کا حکم نہ دینا چاہیے کیونکہ یہ چیزیں اس کے نزدیک کچھ دشوار نہیں۔ ان سے کچھ بھی تنبیہ اس کو نہ ہوگی، بلکہ اُسے ساٹھ روزے رکھنے کا حکم ہونا چاہیے کہ اس پر گراں گذرے اور آئندہ رمضان کے روزے کو اس طرح فاسد نہ کرے"۔

سزا دینے کے سلسلے میں حکومت کو بھی بعض استثنائی حالات میں تعزیری حق کی گنجائش ہے۔ اسی سلسلے میں عبدالرحمٰن الجزری اپنی کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص ۲۶۵ ج ۵ میں لکھتے ہیں:

اذا عفا اولیاء الدم عن القاتل ۔۔۔۔۔۔۔ ولکن رای الحاکم

ان اطلاقہ یھدد الامن العام فلہ ان یعزرہ بما شاء الخ

یعنی اگر مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف کردیں اور حاکم یہ دیکھے کہ اس معافی سے

امنِ عامہ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا تو حاکم اُس قاتل کو معافی کے بعد بھی جو سزا چاہے دے سکتا ہے۔

اب مذکورہ بالا اصول پر اسلامی عدالتی نظام سے ایک نظیر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

گجرات کے حکمران احمد شاہ اوّل (المتوفی ۸۴۲ھ) کے داماد نے جوانی اور شاہی رشتہ کے غرور و تکبر میں ایک شخص کو بے قصور قتل کر دیا۔ سلطان احمد شاہ اوّل کو معلوم ہوا تو اُس نے اپنے داماد کو باندھ کر قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی نے مقتول کے وارثوں کو دو سو اُونٹوں کے قصاص پر راضی کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے اُن کو دیکھ کر کہا کہ اگرچہ مقتول کے وارث راضی ہیں لیکن مجھ کو خود یہ قبول نہیں کہ اس طرح دولت مند لوگ خونِ ناحق کرنے میں دلیر ہو جائیں گے۔ چنانچہ سلطان کا داماد قتل کیا گیا۔ سلطان کے حکم سے اُس کی لاش ایک روز تک دار پر لٹکتی رہی تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ (مراۃ سکندری ۴۵۔۴۶ بحوالہ ہندوستان کے عہدِ رفتہ کی سچی کہانیاں مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۱۵۵)

(بقیہ محدث قرطبہ بقی بن مخلد)

کے قائل نہ تھے۔ اور وہ احادیث و آثار کے مطابق فتوٰی دیتے تھے۔ ان کا تمام تر اعتماد نصوصِ شرعیہ پر تھا۔ اور انتہائی مجبوری کی حالت میں قیاس سے کام لیتے تھے۔ اس طرح جناب بقی بن مخلدؒ نے سرزمینِ اندلس میں ایک ایسا پودا لگا دیا کہ جب وہ برگ و بار لایا تو اندلس دارالحدیث بن گیا اور جب تک اندلس میں مسلمان رہے جناب بقی بن مخلد کی روشن کردہ مشعل سے علماء روشنی حاصل کرتے رہے۔ امام بقی بن مخلدؒ نے ایک مرتبہ خود فرمایا تھا۔

"لقد غرست للمسلمين غرسًا بالاندلس لا يقلع إلّا بخروج الدّجال" [۱]

(میں نے اندلس میں مسلمانوں کے لیے ایک ایسا پودا لگا دیا ہے جو خروجِ دجال تک اُکھاڑا نہ جا سکے گا)

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۶۳۰

مطبوعات

ISLAM RE-DEFINED

اسلام ری ڈیفائینڈ

مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر محمود بریلوی

ضخامت: تقریباً ۲۰۰ صفحات

کاغذ، طباعت، قابل قدر۔

آرٹ کارڈ کے خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ قیمت ۴۰ روپے

مؤلف کے پتے سے طلب کریں: پوسٹ بکس نمبر ۲۹۴۲ کراچی ۲

ڈاکٹر محمود بریلوی صاحب کی پہلے بھی کچھ تحریریں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔ مگر اُن کی ایک باقاعدہ کتاب پہلی بار زیر مطالعہ آئی۔ اس کتاب کی ہر خوبی تو ساری توجہ کھینچ لیتی ہے کہ ٹائیٹل سے لے کر دبیز سفید ڈائجسٹ پیپر اور ٹائپ کی خوبصورتی تک، ہر چیز خوب ہے۔ اس معیار کی ۲۰۰ صفحات کی انگریزی کتاب کی جو قیمت رکھی گئی ہے۔ وہ خالص تاجرانہ قیمت سے کچھ کم ہی ہوگی اسلام کے متعلق مخالفین کی پھیلائی ہوئی تحریفات اور بدگمانیاں، نیز اسلام کے اپنے فدائیوں کی تعریفات کی وجہ سے جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور جن کی وجہ سے صحیح شعور دھندلا گیا ہے اُن کو ملحوظ رکھتے ہوئے ڈاکٹر بریلوی نے اسلام کا از سرِ نو تعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ توضیحِ اسلام کی تازہ کوشش ہے۔ خاص طور پر وہ طبقہ جس سے انگریزی زبان ہی میں بات کرنا ضروری ہے، مسلمانی و نامسلمانی کی خاص الجھنوں سے دوچار ہے۔

۱۸ ابواب اور ۳۸ فصلوں میں پروفیسر صاحب نے اوّلاً انبیائے متقدمین (علیہم السّلام) اور اُن کے پیروکاروں کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر قدیم مذاہب اور دینِ زرتشت (ZOROASTRIANISM) اور عیسائیت اور یہودیت پر قلم اُٹھایا ہے۔ پھر زمانہ قبلِ اسلام کے عرب، حجاز اور قریش پر گفتگو کی ہے۔ پھر ظہورِ اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور انقلابی کارنامے پر اجمالی نظر ڈالی ہے۔ پھر خلافتِ راشدہ اور اہلِ بیت کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ اسلام کا طائرانہ جائزہ لیا ہے۔ احادیث اور اسلامی قانون کے مآخذ پر بحث ہے

شیعیت اور خارجیت کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام اور اجتہاد، تابعین اور تبع تابعین کی بات چلی ہے۔ خاصی محنت سے اسلامی قانون کی دفعہ وار تدوین کا تفصیلی تذکرہ لکھا گیا ہے۔ پھر خلق قرآن اور جبر واختیار کی تاریخی بحثوں کے ساتھ حکمتِ اسلامی میں یونانی آمیزش کا قصہ چھیڑا ہے اور معتزلہ، علم الکلام اور جماعت الاخوان الصفاء پر کلام کیا گیا ہے۔ آگے تصوّف اور باطنیت کا مسئلہ چھیڑا ہے۔ اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ پھر فتنۂ قادیانیت کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔ آگے بہت اہم حصّہ آتا ہے جبکہ مؤلف نے مغربی مادّیت کے ظہور اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں میں جذبۂ احیائے اسلام کے ابھار کا تذکرہ کیا گیا ہے یہاں سے پھر کتاب کا سارا زور تحریک تجدید واحیا پر صرف ہوتا ہے۔ کیونکہ دراصل یہی حاصل مباحث ہے۔ اس سلسلے میں سید احمد بریلوی شہید، علی گڑھ کی تحریک، جماعتِ اسلامی کی تحریک کا تذکرہ لبطورِ خاص کیا گیا ہے۔ اس موقع پر علامہ اقبال اور سید مودودی کے سوانحی خاکے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ساری بحث کو اس مضمون میں سمٹایا گیا ہے کہ اسلام کا مدعا کیا ہے؟ (WHAT ISLAM STANDS FOR) اس کے بعد کا آخری مضمون ماحصل (CONCLUSION) جو مقصدِ کتاب کو واضح کرتا ہے، بہت دلچسپ ہے۔

مؤلف نے اپنی تحریروں میں جہاں جہاں دوسروں سے استفادہ کیا ہے اصفحات کے حاشیے میں حوالے دیے ہیں۔ نیز خاتمۂ کتاب پر کتابیات (BIBLIOGRAPHY) کا بھی اندراج کیا ہے اور اسماء و اعلام کا انڈکس بھی شامل کیا ہے۔

حسبِ روایت ہم مجبور ہیں کہ کتاب کی اصل بحثوں سے زیادہ تعرض نہ کریں۔ اجمالاً ہم یہی رائے دے سکتے ہیں کہ یہ ایک قابلِ قدر کتاب ہے جس میں بہت تفصیل طلب مباحث کو بڑی مہارت سے سکیڑ دیا گیا ہے۔

اصلاح انقلاب امت (جلد دوم)
از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی غفرلہ
مجلد تقطیع کلاں صفحات ۲۲۲ قیمت ۴/- روپے
ناشر ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی ۱۴

اس کتاب میں مولینا اشرف علی تھانوی مرحوم نے عقائد وعبادات اور دیگر معاشرتی وعائلی مسائل کے متعلق رائج الوقت بدعات اور غلط فہمیوں پر گرفت کی ہے اور ہر مسئلے کو حنفی فقہ کے مطابق واضح کر دیا ہے۔ روزمرّہ مسائل میں عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ لمبی چوڑی علمی کتابیں کھنگالے۔ ایسی ضرورت کے لیے یہ کتاب بہترین ہے۔

غمِ اعلیٰؒ
مرتبہ: گوہر ملسیانی
صفحات ۱۲۸ قیمت ۱۰/- روپے
ناشر: گوہر ادب پبلی کیشنز
مظہر فرید کالونی۔ صادق آباد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور کی رحلت کے درد و گداز کو بہت سے شعراء نے سرمایۂ سخن بنایا ہے۔ ایسی نظموں کا گوہر ملسیانی صاحب نے انتخاب کر کے یہ مجموعہ شائع کیا ہے۔ ایک چھوٹے سے مجموعے میں نظموں کی خاصی تعداد جمع ہے۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کوشش کی قدر افزائی کریں گے۔

دید شنید
از۔ رفیق ڈوگر
صفحات ۲۸۰ قیمت ۱۷/۵۰ روپے
ناشر: عقاب پبلی کیشنز۔
راما چیمبرز۔ پرانی انارکلی۔ لاہور

محمد رفیق ڈوگر کے قلم کا قد اب اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ جہانِ صحافت میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔
کتاب کے گرد پوش پر اپنے مختصر تعارف میں لکھے ہوئے دو جملوں سے اس کی تحریر کے تیکھے پن کا اندازہ کیجیے۔ لکھا ہے:

نام: کتاب کے باہر درج ہے۔
کام: کتاب کے اندر درج ہے۔

کیا خوب نثری شعر ہے جس کے دونوں مصرعوں میں صرف دو دو متقابل الفاظ بدلتے ہیں۔ باقی سب کچھ جوں کا توں رہتا ہے۔

آجکل کئی اخباروں میں ایک غیر اخباری کالم بھی شائع ہوتا ہے۔ یہ کالم صحافت، ادب، طنز و مزاح کا ہلکا پھلکا سا مرکب ہوتا ہے۔ یعنی عشرؔ کردہ نگارش میں "کاک ٹیل"۔ رفیق ڈوگر اس طرز کے کالم مدت سے لکھتا ہے اب تو اس نے اپنا خاص رنگ پیدا کر لیا ہے۔ ایسے ہی کالموں کا ایک مجموعہ ہمارے سامنے ہے۔ اس مجموعے میں زندگی کے بے شمار ٹھوس مسائل کا لطیف انعکاس ہے۔ یہ کالم تاریخ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مختلف مراحل کے واقعات و حوادث کی جھلکیاں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس لئے اس دلچسپ کتاب کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے

ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ
مؤلف: سید تصدق بخاری
جلد، کاغذ، طباعت معمولی صفحات ۳۲۸
قیمت: -/۲۲ روپے
ناشر: مکتبہ ندائے حق، رجمنٹل بازار، سیالکوٹ چھاؤنی

کتاب کا نام وہ ہے جو چند سال سے ہماری قابلِ فخر فوج کا طغریٰ ہے، اور کسی مسلمان فوج کے لیے اس سے بہتر طغریٰ کوئی نہیں ہوسکتا۔

یہ ایک اچھا موضوع ہے، اور اگر اس پر خوبصورت انداز سے لکھا جاتا رہے تو ملک کے خواص و عوام کے علاوہ فوجی افسروں اور جوانوں کے لیے اچھی چیزیں فراہم کی جاسکتی ہیں۔

اولاً تو میں اس کتاب کے مؤلف کی خدمت میں یہ کلمۂ اعتراف پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے سواتین سو سے کچھ زائد صفحات میں اتنا وافر مواد مطالعہ جمع کر دیا ہے کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ مگر دوسری طرف شاید زیادہ مؤثر صورت یہ ہوتی کہ ایمان، تقویٰ اور جہاد کے متعلق سادہ زبان، مختصر عبادات اور جذبہ آفریں اندازِ بیان سے چند ضروری حقیقتیں بیان ہوجاتیں اور غلط فہمیاں رفع ہوجاتیں۔ اگر کتاب عالموں اور واعظوں کے پڑھنے کے لیے ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر جدید تعلیم یافتہ طبقے اور خود فوج سے متعلق افسروں اور جوانوں کے لیے ہے تو پھر یہ مشکل ہی سے دلوں اور دماغوں میں راستہ بنا سکے گی۔

ایک ضرورت اس سے بھی بالاتر ہے۔ کاش کہ کوئی صاحب کوئی ایسی کتاب اس موضوع پر لکھ سکیں جو فوجی حلقوں میں ایک نصابی کتاب کی حیثیت سے کام دے سکے۔ مگر ایسی کتاب کے لیے زبان، اندازِ بیان، اصطلاحات اور گٹ اَپ وغیرہ کے خاص تقاضے سامنے رکھنے ضروری ہیں۔

پھر بھی مؤلف کا یہ کام اس لحاظ سے قیمتی ہے کہ اس میں دین کے بے شمار احکام اور تقاضے مذکور ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھا کر کام کرنے والے لوگ کسی نئی شکل میں کام کر سکتے ہیں۔

اِس کتاب پر یہ سطور رکھتے لکھتے خیال آتا ہے کہ آج فریضہ جہاد فی سبیل اللہ بالکل ہمارے سامنے کھڑا ہے اور پوچھ رہا ہے کہ کس درجے کا ایمان اور تقویٰ تم لوگوں میں ہے؟

مقامِ حیرت ہے کہ قوم کے سر پہ تاریک ترین خطرات منڈلا رہے ہیں اور وہ روزمرہ کی زندگی میں جوں کی توں مگن ہے۔ رشوت اور اسمگلنگ اور لوٹ اور قتل و اغوا کے سلسلے اپنی جگہ چل رہے ہیں، دولت

(باقی ر صفحہ ۴۸)

(بقیہ اشارات) ان پر واضح کریں کہ ہماری راہ نجات اسلام کے سوا کوئی نہیں۔

۹۔ خاص طور پر میں یہ بات آخر میں کہنا چاہتا ہوں کہ اب جب کہ جماعتیں موجود نہیں ہیں جن لوگوں کو (وہ تھوڑے سے ہوں یا بہت) اسلام کا کام صحیح خطوط پر کرنا ہو وہ ارسٹوکریٹک طریق کار کے قفس سے آزاد ہو کر فرد بہ فرد رابطہ عام کی مہم لے کے چلیں۔ لوگوں میں ان کا اتنا نفوذ ہونا چاہیے کہ وہ محلے کے ہر شخص کے متعلق یہ ضرور جانتے ہو کہ وہ کیا کام کرتا ہے؟ کس خیال کا ہے؟ ملکی معاملات میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ دین کو وہ کیا حیثیت دیتا ہے؟ اور کہیں وہ مخالفِ اسلام قوت سے متاثر تو نہیں ہے؟

کاش کہ اس طرز پر کام کرنے والے کچھ لوگ —— خصوصاً کچھ نوجوان —— میدان میں آئیں چاہے اُن کا تعلق کبھی کسی بھی جماعت سے رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ اور چاہے وہ کسی مدرسۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔

یہ تو دین کا کام ہے اور سب کے کرنے کا ہے۔

(بقیہ مطبوعات)

کماتے اور اسراف کے تماشے دکھانے میں لوگ اسی طرح مصروف ہیں۔ سرپرستانِ دین کے تفرقے بھی چل رہے ہیں اور مسجدوں کی "فتوحات" کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ روس کی لابی اور انڈیا کی لابی نے بھی تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ رُوسی نظریات کے مومنین بھی سرکاری ایوانوں، تعلیم گاہوں، نشرواشاعت کے مراکز، ادبی اداروں اور آرٹ کونسلوں میں اپنا کام اپنے خاص غیر محسوس طریقوں سے کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے مذہبی عناصر بھی ہیں جو کسی دوسرے دینی ادارے کو ضرب لگانے کے لیے رُوس نواز ملحدوں کے ساتھ بآسانی بھائی چارہ قائم کر لیتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو خود ڈرپوک ہیں اور "ڈر" کو پھیلا رہے ہیں کہ ایک بڑی طاقت کے مقابلے میں ہماری کیا حیثیت!

یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ نہ ایمان پوری طرح کام کر رہا ہے نہ تقویٰ، اور ایمان و تقویٰ کے بغیر جہاد فی سبیل اللہ تو ہو نہیں سکتا۔

اس جملۂ معترضہ سے قطع نظر سید تصدق بخاری صاحب کی محنت و کاوش کی تحسین ہونی ہی چاہیے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

کے خلاف

ذاتی اور شخصی، مذہبی اور سیاسی الزامات کا تجزیہ

مولانا مودودیؒ پر جھوٹے الزامات

اور

اُن کے مُدلّل جوابات

تالیف

عاصم نعمانی

•

• سائز: $\frac{20\times30}{16}$ • ضخامت: ۱۲۸ صفحات • قیمت: پانچ روپے

•

ناشر: مجلس احباب، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

•

ملنے کا پتہ

• ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ - لاہور • مکتبہ تعمیر انسانیت - اُردو بازار لاہور
• اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، شاہ عالم مارکیٹ لاہور • یین اسلامک پبلشرز، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور
• ادارہ مطبوعات طلبہ، اچھرہ، لاہور • شیخ فقیر حسین صاحب، منصورہ ملتان روڈ لاہور
• مکتبۂ افکار اسلامی، بازار شاہ فیصل شہید، راولپنڈی • البدر بک کارپوریشن، صدر، کراچی۔